ہفت روزہ

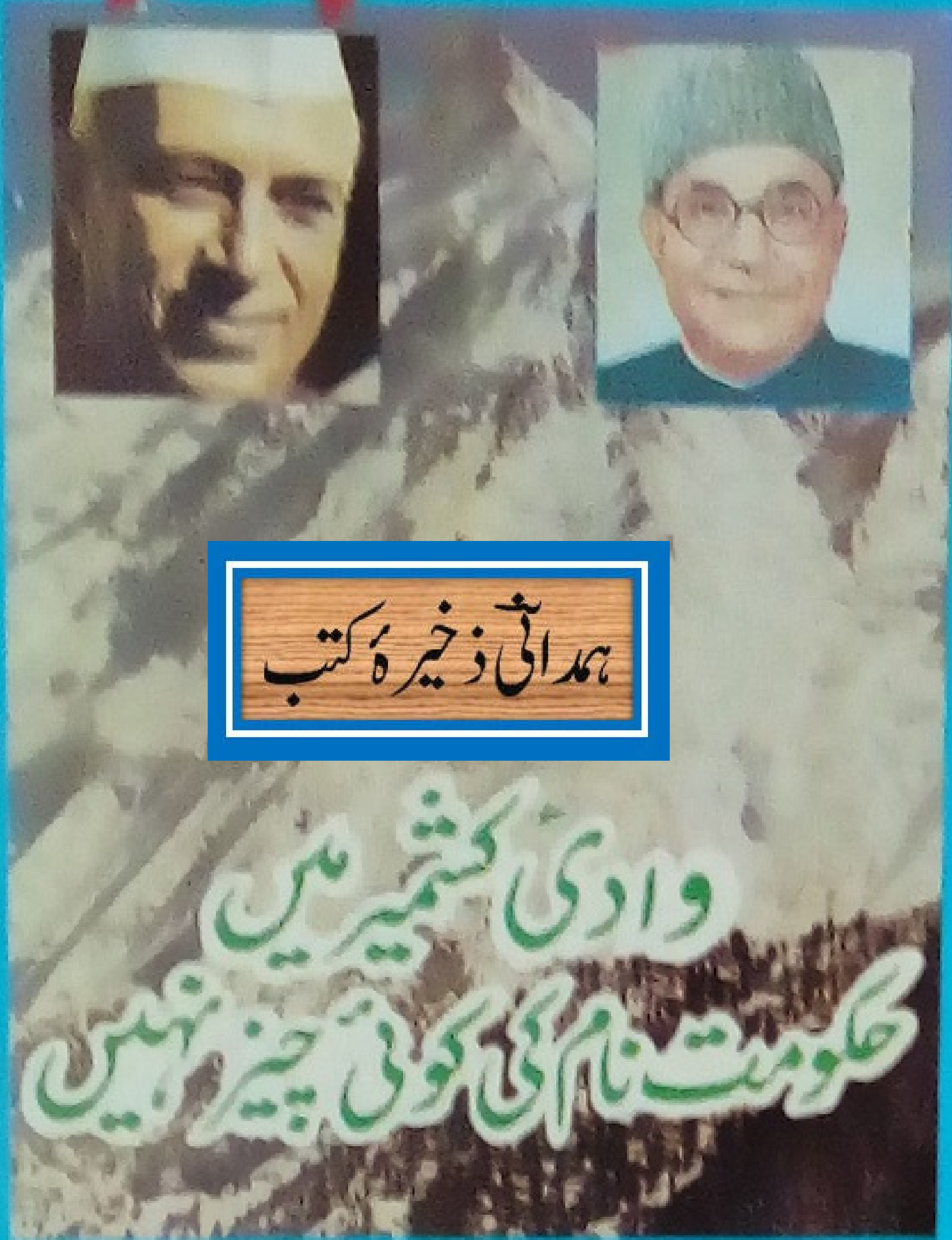
کراچی

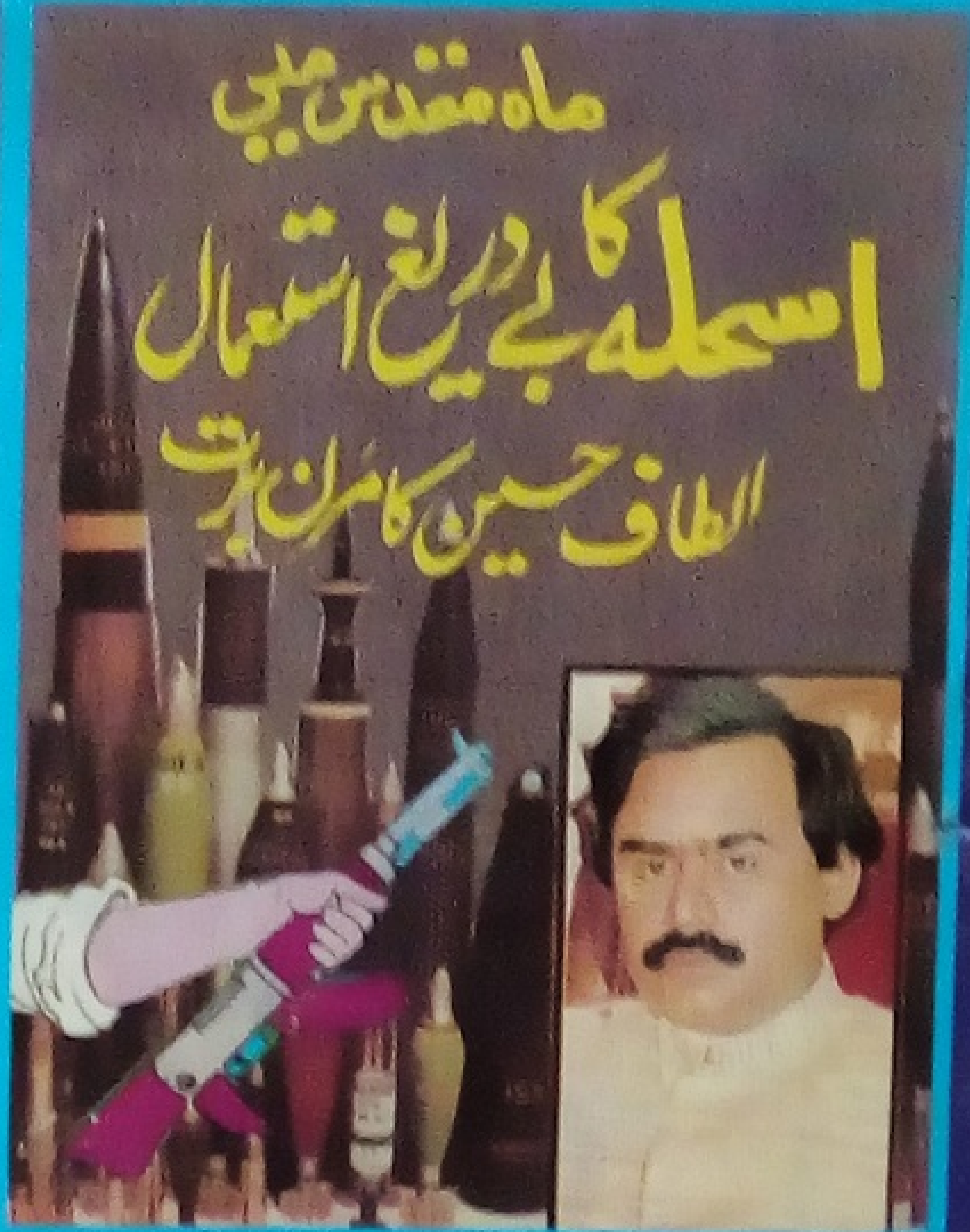
احوال

۱۲ تا ۱۸ اپریل ۱۹۹۰ء

غزوۂ بدر

باطل کی شکست حق کی فتح

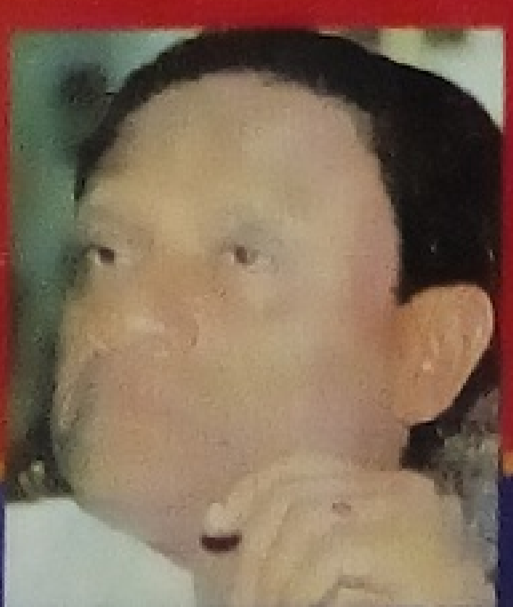




صدر پریماداسا کا

اسرائیلیوں کے خلاف

جرأتمندانہ اقدام



بھاگلپور کے

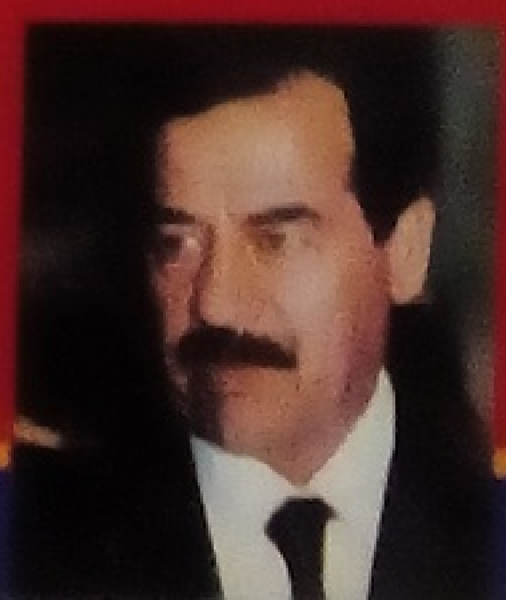
قتل عام کا

آنکھوں دیکھا

حال

صلاح الدین ایوبی کے دیس سے

یہودیوں کو صدر صدام کی للکار



جلد (۱) شمارہ (۱۰)
اشاعت ۱۴ [illegible]
قیمت ، ۵ روپے

احوال

ایڈیٹر و پبلشر: محمد احمد صدیقی   مدیر اعلیٰ: ابو جنید

اس شمارے میں

زر تعاون سالانہ

پاکستان	۳۰۰	روپے
سعودی عرب	۲۰۰	ریال
متحدہ عرب امارات	۲۰۰	درہم
بھارت و بنگلہ دیش	۴۵	امریکی ڈالر
افریقہ و ایشیا	۵۰	امریکی ڈالر
یورپ	۵۵	امریکی ڈالر
امریکہ و آسٹریلیا	۶۰	امریکی ڈالر

زر تعاون پاکستانی کرنسی میں کسی ایسے بنک کی معرفت ارسال فرمائیں جس کی کراچی میں شاخ ہو۔

دفتر رابطہ

۶۱۲ یونی شاپنگ سینٹر
ریجنسی مال عبداللہ ہارون روڈ صدر کراچی

فون: ۵۱۲۷۷۵

پبلشر محمد احمد صدیقی نے الوزیلی کیشنز کے تحت نیو دیلی پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر ۶۱۲ یونی شاپنگ سینٹر ریجنسی مال، شاہراہ عراق صدر کراچی سے شائع کیا

درس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے
کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان اور
اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر
اور آپس میں پھٹ نہ جانا اور اللہ کا
احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا
اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا
تو اس کے فضل سے تم آپس میں
بھائی ہوگئے اور تم ایک غار دوزخ
کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں
اس سے بچا دیا اللہ تم سے یونہی
اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم ہدایت
پاؤ۔ سورۂ آل عمران۔ آیت ۱۰۲، ۱۰۳

(کنز الایمان)

صحیحین میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا
سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رمضان کے آخر عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے
تھے۔ ابن ماجہ ابن عباس رضی اللہ عنہما
سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے معتکف کے بارے میں فرمایا وہ گناہوں
سے باز رہتا ہے اور نیکیوں سے اسے
اس قدر ثواب ملتا ہے جیسے اس نے
تمام نیکیاں کیں۔ بیہقی امام حسین
رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان
میں دس دنوں کا اعتکاف کر لیا تو ایسا
ہے جیسے دو حج اور دو عمرے کئے

(بہار شریعت)

صلاح الدین ایوبیؒ کے دیس سے

یہودیوں کو صدر صدام کی للکار

صدام حسین پہلے عرب لیڈر ہیں جن سے صیہونی حقیقی طور پر خوفزدہ ہیں

سوڈے کی بوتل سے بھی چھوٹے کیمیائی بم کو بظاہر دیکھنے سے پتہ نہیں چلتا کہ یہ اتنا تباہ کن ہو سکتا ہے !!

ر۔ت۔ احمد

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے دیس سے صدیوں بعد یہودیوں کو للکار سنائی دی ہے جس نے دول یورپ کی متحدہ طاقت کو لرزہ براندام کر دیا تھا۔ یہ للکار عراق کے جواں ہمت مرد مجاہد صدر صدام حسین کی ہے جنہوں نے صیہونی استعمار کی علامت اسرائیل کو للکارا ہے اور اسے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں وارننگ دی ہے کہ اگر اس نے عراق پر حملہ کیا تو اسے کیمیائی ہتھیاروں سے جلا کر خاکستر کر دیا جائے گا۔

اس وارننگ کے جواب میں اسرائیل کے ایک سرکاری ذریعے نے کہا کہ ہم اس دھمکی پر پریشان ہیں۔ یقیناً سخت پریشان ہیں لیکن ہم اس کے جواب میں اگر کچھ کرنے جا رہے ہیں تو اسے ہم راز میں رکھیں گے۔ ظاہر ہے اسرائیلی اس کے توڑ میں جو کچھ کر رہے ہوں گے وہ ہرگز کسی کو نہیں بتائیں گے، ۱۹۶۷ء کی جنگ میں بھی جو کارروائی انہوں نے کی تھی اس کی کانوں کان کسی کو خبر نہیں لگنے دی تھی اور نہایت خاموشی سے کامیاب آپریشن کر کے چار گھنٹے میں عربوں کی فضائی طاقت کا خاتمہ کر دیا تھا مگر ان کے لئے اس وقت جو پریشانی کی بات ہے وہ یہ ہے کہ یہ ۱۹۶۷ء نہیں بلکہ ۱۹۹۰ء ہے اور ان کا مقابلہ اب جمال عبدالناصر سے نہیں بلکہ صدام حسین سے ہے۔ جمال عبدالناصر نے اس وقت ہوش کے بجائے جوش سے زیادہ کام لیا تھا اور اسی ضرورت سے زیادہ جوش کے مظاہرہ پر انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ ان کے جنگی منصوبوں کا اسرائیل کو قبل از وقت پتہ چل چکا تھا۔

۶ جون ۱۹۶۷ء کو صبح چار بجے تک اسرائیل ایک فضائی حملے کا منصوبہ بنا چکا تھا۔ صبح کے چار بجنے میں ایک منٹ پر اسرائیلی کمانڈر انچیف موشے دایان (جو بعد میں اسرائیل کا وزیر دفاع بھی بنا) ریڈیو آن کرتا ہے۔ قاہرہ سے عرب کی مشہور مغنیہ ام کلثوم کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ ایک گیت گا رہی تھی "چلو تل ابیب چلو، تل ابیب چلو" موشے دایان ریڈیو آف کرتا ہے اور مسکرا کر اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے وہ تو کہتی تل ابیب آئیں گے جبکہ ہم ہی قاہرہ چلتے ہیں اور یہ کہہ کر وہ خفیہ فضائی آپریشن اسٹارٹ کرنے کا بٹن دبا دیتا ہے۔ اسرائیلی لڑاکا طیارے فضا میں بلند ہوتے ہیں اور راڈار کی رینج سے نیچی پروازیں کرتے ہوئے مصر کی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں۔ صبح آٹھ بجے تک چار گھنٹے میں وہ مصر کی فضائی طاقت کا خاتمہ مصری اڈوں پر ہی کر دیتے ہیں۔ صدر ناصر کا تل ابیب فتح کرنے کا خواب بکھر جاتا ہے۔

۱۹۶۷ء میں تو اسرائیلیوں نے عرب رہنماؤں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر فتح حاصل کر لی تھی مگر عراق میں جو اس وقت رہنما برسر اقتدار ہے وہ جوش سے کم اور ہوش سے زیادہ کام لیتا ہے۔ جو بولتا کم اور کام زیادہ کرتا ہے۔ جو آہنی ارادوں کا مالک اور اپنے منصوبوں کو خفیہ رکھ کر انجام دینے کا عادی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سابقہ عرب لیڈروں کے برعکس اس کی للکار میں وزن ہے۔ اس کی باتوں میں گہرائی ہے جسے اسرائیلی اور امریکی دونوں محسوس کر رہے ہیں۔ وہ پہلا عرب لیڈر ہے جس سے صیہونی حقیقی طور پر خوفزدہ ہیں اور گھبرائے ہوئے ہیں۔ صدر صدام حسین جانتے ہیں کہ اسرائیل کے پاس ایٹم بم ہے اس نے ایٹم بم نہ بنانے کے معاہدے پر دستخط بھی نہیں کئے جبکہ عراق اس معاہدے پر دستخط کر چکا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اسرائیل ایٹم بم عراق کے خلاف استعمال بھی کر سکتا ہے اس کے باوجود وہ حوصلہ مند ہیں اور ایٹم بم کا مقابلہ کیمیائی بموں سے کرنے کیلئے سر بکف ہیں۔

عراق نے کیمیائی ہتھیاروں کا موثر ذخیرہ جمع کیا ہے۔ سوڈے کی بوتل سے بھی چھوٹا کیمیائی بم جس میں مونگ پھلی جتنا سوئچ لگا ہوتا ہے۔ بظاہر دیکھنے سے پتہ نہیں چلتا کہ یہ اتنا تباہ کن ہو سکتا ہے۔ ایٹم بم ہولڈر اسرائیل کو خوفزدہ کرنے کے لئے کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال ایک موثر ذریعہ ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عراق کے پاس ایسے میزائل ہیں جو کیمیائی بم یا دیگر ہلاکت خیز مادہ جنگی نشانوں پر گرا سکتے ہیں۔ وہ ایران عراق جنگ میں فضا سے فضا میں مار کرنے والے اسکڈ بی میزائل بڑی کامیابی سے استعمال کرتا رہا ہے جن میں الحسین ۔ ۱۹۰ میزائل جو ۴۰۰ میل تک مار کرتا ہے بڑا کامیاب رہا تھا۔ پچھلے سال دسمبر میں عراق نے فضا سے فضا میں ۱۲۴۰ میل تک مار کرنے والے میزائل کا کامیاب

اسرائیل کو آخری شکست سے ہمکنار کرنے کے لئے عرب میں دوسرا سلطان ایوبی، صدام کے روپ میں پیدا ہو چکا ہے۔

تجربہ کیا تھا۔ اسی ماہ میں عراق نے اڑتالیس ٹن وزنی راکٹ کے ذریعہ ایک سیارہ خلا میں بھیجنے کا اعلان کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ عراق فضا میں بیلسٹک میزائیل بھیجنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔ مغربی ذرائع کے مطابق عراق ایٹمی ہتھیار بنانے کے قریب ہے کیونکہ اس کے پاس ۲۵ پونڈ افزودگی شدہ یورینیم موجود ہے جو اس نے اوسریکا کے ایٹمی ریکٹر سے حاصل کیا ہے یہ وہی ایٹمی ریکٹر ہے جسے اسرائیل نے جون ۱۹۸۱ء میں اچانک ہوائی حملہ کر کے تباہ کر دیا تھا۔ صدر صدام نے اس اسرائیلی حملہ سے سبق حاصل کرتے ہوئے تقریباً چھ زیر زمین ایسے پلانٹ بنائے ہیں جہاں مغربی ماہرین اسلحہ کے مطابق ایٹم بم پر کام ہو رہا ہے۔ ان ماہرین کو اندیشہ ہے کہ جلد ہی عراق اپنی اسلحی برتری کی بنا پر علاقہ میں ایک بالاتر قوت بن جائے گا۔

مغربی ممالک اور خاص طور سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا شروع سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ عرب ممالک کی آنکھ کا تو انہیں تنکا بھی دکھائی دے جاتا ہے۔ مگر اسرائیل کی آنکھ کا شہتیر بھی دکھائی نہیں دیتا۔ امریکہ، برطانیہ اور فرانس کی آنکھوں کے سامنے اسرائیل ایٹمی ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کرتا رہا۔ ایٹمی ہتھیار بناتا رہا اور زبردست فوجی قوت بڑھاتا رہا۔ یہ ممالک اسرائیل کے معاملہ میں نہ صرف چپ سادھے رہے بلکہ در پردہ اس کی ہر طرح سے مدد کرتے رہے۔ مگر جب کوئی عرب ملک اپنے دفاع کے لئے حربی طاقت میں اضافہ کرتا ہے تو یہ ممالک نہ صرف شور مچانا شروع کر دیتے ہیں بلکہ ہر طرح سے رکاوٹ ڈالتے ہیں، اس معاملہ میں امریکہ سب سے پیش پیش رہتا ہے جہاں یہودی لابی انتہائی طاقت ور ہے۔

۱۹۸۱ء میں ایران وعراق کی جنگ سے فائدہ اٹھا کر اسرائیل نے بغداد پر حملہ کر کے عراق کا ایٹمی ریکٹر تباہ کر دیا تھا۔ یہ حملہ اس نے سعودی عرب کی سرزمین پر سے گزر کر کیا تھا۔ سعودی سرحدوں کی نگہبانی جو اواکس طیارے کر رہے تھے۔ انہیں امریکی پائیلٹ اڑا رہے تھے۔ ان کے راڈار کی زد میں اسرائیلی حملہ آور طیارے ضرور آئے ہوں گے مگر انہوں نے جان بوجھ کر چشم پوشی کی۔ ایران سے جنگ میں مصروف ہونے کی بنا پر عراق اس کا جواب نہ دے سکا تھا۔

آٹھ نو سال کی محنت شاقہ کے بعد عراق نے دوبارہ اس ایٹمی ریکٹر کو تعمیر کر لیا تو برطانیہ اور امریکہ کے پیٹ میں مروڑ اٹھنا شروع ہو گیا۔ ایرانی نژاد ایک برطانوی صحافی فرزاد بازوفت کو عراقی ایٹمی تنصیبات کی جاسوسی کرنے کے الزام میں عراق میں پھانسی دے دی گئی تو برطانیہ نے عراق سے سخت احتجاج کیا۔ مسز تھیچر نے پھانسی کے عمل کو انتہائی ظالمانہ (BARBERIAN ACT) قرار دیا۔ لیکن صدر صدام حسین نے برطانیہ کی ناراضگی پر اپنے ملک کی حفاظت اور وقار کو ترجیح دی جو کہ ان کا حق تھا۔ جس وقت بازوفت کو گرفتار کیا گیا اس کے پاس سے وہ رپورٹ ملی جو اس نے عراق کے اس فوجی ٹھکانے کے بارے میں لکھی تھی جہاں سے اسے پکڑا گیا تھا۔ پہلے اس نے خود کو ایک بھارتی ڈاکٹر ظاہر کیا اور بعد میں بتایا کہ وہ برطانوی شہری ہے۔ عراق کے اخباروں نے بازوفت کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریریں شائع کیں جن میں اس نے اعتراف کیا تھا کہ وہ اسرائیل اور برطانیہ کے لئے جاسوسی کرتا تھا۔

مذکورہ جاسوس کی گرفتاری کے بعد یہ بات عیاں ہو گئی تھی کہ اسرائیل اور مغربی ممالک عراق کی دفاعی صلاحیتوں کے فروغ سے فکرمند ہیں اور اسرائیل ۱۹۸۱ء کا واقعہ دوبارہ دہرانا چاہتا ہے۔ جب اس نے ایف۔۱۵ جنگی طیارے استعمال کر کے عراق کے ایٹمی ریکٹر کو دس منٹ میں ناکارہ بنا دیا تھا۔ اسرائیل کے گھناؤنے ارادے کو بھانپ کر صدر صدام حسین نے اسرائیل کو سخت وارننگ دی کہ اگر عراق کی جوہری تنصیبات پر حملہ کیا گیا تو عراق کیمیائی ہتھیاروں سے اسرائیل پر جوابی حملہ کرے گا۔ مغرب میں جو عراق کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے اسرائیل کے ممکنہ حملہ کی پیش گوئی کو تقویت حاصل ہوتی ہے حال ہی میں عراق کے خلاف لندن میں ایٹمی ہتھیار چلانے کے لئے ٹرائیگر حاصل کرنے کا الزام لگایا گیا۔ صدر صدام حسین کے مطابق یہ الزام اس وارننگ کے جواب میں ہے جو انہوں نے اسرائیل کو دی ہے۔ صدر عراق نے کہا کہ اگر ہمارے ملک میں بمباری سے آگ بھڑکائی گئی تو یہ آگ آدھے اسرائیل کو بھسم کر دے گی۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں ایٹم بم کی ضرورت نہیں کیونکہ عراقی قوم نے کیمیائی ہتھیار حاصل کر لئے ہیں۔ امریکیوں اور روسیوں کے بعد عراقی وہ قوم ہیں جن کے قبضہ میں یہ ہتھیار ہیں۔

امریکی حکومت نے صدر صدام حسین کے بیان کو اشتعال انگیز اور غیر ذمہ دار قرار دیا جبکہ عراق کا موقف انصاف پر مبنی ہے ہر ملک کو اپنے خلاف ہونے والے پروپیگنڈے کا موثر جواب دینے کا حق ہے کوئی بھی قوم اس قسم کے شرانگیز پروپیگنڈے کو برداشت نہیں کرتی۔ عراقی قوم نے بھی نہ صرف اس پروپیگنڈے کا جواب دینے کا فیصلہ کر لیا بلکہ کسی بھی جارحیت کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے تیار ہے۔ عراقی حکومت کے مطابق ۱۹۸۱ء کے حادثہ کو دہرانے کی اجازت نہیں دی جائے گی، یہ ۱۹۸۱ء نہیں ہے کہ اسرائیلی طیارے دندناتے ہوئے آئیں اور عراقی تنصیبات کو زمین بوس کر کے چلے جائیں اب عراق ایسے حملہ کا جواب دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔

ایسے کسی بھی ممکنہ حملے کے اندیشہ پر عراق کا ردعمل بالکل فطری ہے، ۱۹۸۱ء کا اسرائیلی حملہ تمام عالمی اصولوں اور اقوام متحدہ کے چارٹر کی کھلی خلاف ورزی تھی۔ مگر عالمی طاقتیں اس کھلی دھاندلی اور عالمی غنڈہ گردی پر خاموش رہی تھیں۔ عالمی طاقتوں اور خصوصاً امریکہ کا یہی دوغلا رویہ ہے جو نہ صرف مشرق وسطیٰ بلکہ دنیا میں بھی امن نے قائم نہیں ہونے دیتا۔ پچھلے دنوں عراقی میزائیلوں پر مغرب میں بڑا شور اور واویلا کیا گیا تھا جبکہ اسرائیل کا ایٹمی میزائیلوں کا پروگرام جس پر وہ بڑی کامیابی سے عمل پیرا ہے مغرب میں قطعی طور پر نظرانداز کر دیا گیا۔ اسرائیل اور اس کے حامیوں کے ہاتھوں جو بین الاقوامی صیہونیت کا آلہ کار بن چکے ہیں نہ صرف عراق اور عرب دنیا بلکہ پورا عالم اسلام سخت عذاب میں مبتلا ہے مگر اب اسرائیل کو آخری شکست سے ہمکنار کرنے کے لئے عرب میں دوسرا سلطان صلاح الدین ایوبی، صدر صدام حسین کے روپ میں پیدا ہو چکا ہے جس کی للکار کو سننے کے لئے دنیائے عرب ہی نہیں بلکہ پورا عالم اسلام بے چین تھا۔ آخرکار صدام کی للکار نے کروڑوں بجھے ہوئے دلوں کو روشن کر دیا۔

غزوۂ بدر، باطل کی شکست، حق کی فتح

ڈاکٹر فریدہ احمد

مکہ میں سرداری تھی۔ تجارت کا دور دورہ تھا، جوا اُن کی زندگی عیش و عشرت کی تھی لیکن جبر اور ظلم کا جو بازار گرم تھا اس سے مکہ کی سرزمین کانپ رہی تھی۔ زبردست زیردست کا "خدا" بن بیٹھا تھا۔ موت اور زندگی اُمراء کے اشارۂ ابرو پر تھی۔ بے حیائی کی کوئی حد نہ تھی۔ خانۂ کعبہ میں عورتیں برہنہ طواف کرتی تھیں چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ برتری کی پہچان بیویوں کی کثرت تعداد تھی بشرافت کی پہچان دھن اور دولت تھی۔ لاقانونیت ہی قانون تھا اور بیگاری کروانا اور غلام بنانا سردار اپنا حق سمجھتا تھا۔ قمار بازی، شراب نوشی معاشرہ کا اہم رواج تھا معاشرہ کی تہذیب یہ تھی کہ وہ "بدتہذیب" تھی۔ حیا یہ تھی کہ وہ "بے حیا" تھی۔ انصاف یہ تھا کہ ظالم "مظلوم" اور "مظلوم" ظالم تھا۔ انسانیت دُکھی تھی۔ دکھے ہوئے انسانوں کے دل کی پکار تھی کہ ہے کوئی ہادی، ہے کوئی رہبر جو آتی دنیا تک ایسا قانون بنائے، ایسی راہ دکھائے کہ یہ سنور جائے اور ایسا سنورے کہ تاقیامت سنورا ہی رہے تو آواز آئی،

"اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو"

پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی۔ مکہ میں بنو ہاشم کے گھرانے میں عبدالمطلب کے پوتے اور آمنہ کے لعل حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے "دارالارقم" میں چھپ کر اور پھر فاران کی چوٹی پر چڑھ کر اعلان فرمایا جس کے متعلق مولانا حالی فرماتے ہیں،

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا ٭ اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

حضورؐ کی غریبوں سے دادرسی، ناداروں سے ہمدردی، مظلوموں کی مدافعت، عورتوں کی عصمتوں کی حفاظت، غلاموں کی خرید و فروخت، ڈاکوؤں اور چوروں کی مذمت، بھوکوں کو کھانا کھلانا، روتوں کو ہنسانا، معاشرہ کی بھلائی کرنا، تمام برائیوں کو دُور کرنا، جاہلیت کے رسم و رواج کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنا اور معاشرہ کی تمام دوسری اصلاحات سے مکہ والوں کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی ظلم سے تنگ آ کر مسلمانوں نے حبشہ میں پناہ لی۔ قریش کے سرداروں نے حبشہ تک اُن کا پیچھا کیا۔ مسلمانوں نے مدینہ میں ہجرت کی۔ وہاں اُن کی زندگی میں سکون میسر آیا۔ مدینہ جا کر وہ آرام اور اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگے۔

قریش کا تجارتی قافلہ ہر سال ملک شام جایا کرتا تھا۔ مدینہ اُن کی راہ میں تھا۔ مشرکین مکہ کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا

> اگر اللہ کے یہ چند بندے
> آج مٹ گئے تو پھر
> قیامت تک اسکا نام لیوا کوئی نہ بچے گا

تھا کہ اگر مسلمانوں کو مدینہ میں چین سے رہنے دیا گیا تو وہ زیادہ "طاقتور" ہو جائیں گے اور دین اسلام کو بڑی سرعت کے ساتھ پھیلنے کا موقع ملے گا۔ مکہ کے سرداروں کی تدبیر یہی تھی کہ مسلمانوں کے قدم مدینہ میں جمنے نہ پائیں۔ قبل اس کے کہ وہ مدینہ میں مضبوط ہوں اُن کو ختم کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ ان کو یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر مسلمان مدینہ میں طاقتور ہو گئے تو قریش مکہ کی ملک شام سے تجارت خطرہ میں پڑ جائے گی۔ ان وجوہات کی بناء پر قریش مکہ نے جنگی تیاریاں بڑے زور و شور سے کرنی شروع کر دیں۔ منافقوں کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکی دی جاتی تھی۔ چنانچہ آپؐ نے عبداللہ بن اُبی سلول کو سمجھایا، کہا تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے؟ اور اسی وجہ سے وہ لڑائی کرنے سے رُکا بھی رہا۔ پھر "نخلہ" کا واقعہ پیش آیا جس میں عمرو بن حضرمی مارا گیا۔ قریش بہت برہم ہوئے اور بدلہ کی ٹھانی۔ انہی دنوں قریش کا ایک قافلہ ابوسفیان کی سرداری میں شام سے تجارتی مال کے ساتھ واپس آ رہا تھا کسی مفسد نے اُڑا دی کہ مسلمان اس قافلے کو لوٹنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس پر اہلِ مکہ میں ہیجان برپا ہو گیا اور وہ مدینہ پر حملہ کرنے نکل پڑے۔

ابوسفیان ساحلی راستہ سے صحیح سلامت قافلے کو واپس پہنچ گیا لیکن مکہ سے مشرکوں کی فوج روانہ ہو چکی تھی۔ ابوسفیان نے قاصد دوڑایا کہ ہم واپس پہنچ گئے ہیں لہٰذا واپس آ جاؤ۔ اس پر کچھ سرداروں نے واپس لوٹ جانے کی رائے دی لیکن ابوجہل نہ مانا اور لڑنے پر مصر رہا۔

جنگِ بدر ۲ھ مطابق ۶۲۳ء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو آپؐ تین سو سے کچھ اوپر جانثاروں کو لے کر مدینے سے نکلے۔ بدر، مدینہ سے اسی میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے جہاں اہلِ عرب کا سالانہ میلہ لگا کرتا تھا۔ قریش نے وہاں پہلے پہنچ کر ان مقامات پر قبضہ کر لیا جو جنگی نقطۂ نظر سے زیادہ اہم تھے۔ مسلمانوں نے بھی ایک چشمہ پر قبضہ کر کے مناسب جگہ بنالی۔ بارش ہو جانے سے مٹی بیٹھ گئی اور کچھ مزید پانی بھی جمع ہو گیا۔ فوج کو ترتیب دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی "خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اُسے آج پورا کر۔ اگر آج تیرے یہ چند بندے مٹ گئے تو پھر قیامت تک کوئی تیرا نام لیوا نہیں رہے گا۔"

کفار کی تعداد مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس جنگ میں بھائی بھائی کے خلاف اور باپ بیٹے کے خلاف لڑ رہا تھا۔ ہر دو جانب مقابلے میں رشتہ دار نظر آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو اسلام کا بول بالا کرنا تھا۔ کفار کو شکستِ فاش ہوئی اور ان کے ستر آدمی کام آئے جن میں ابوجہل اور عتبہ جیسے سردار بھی شامل تھے۔ اس کے مقابلے میں اسلامی فوج کے چودہ مجاہد شہید ہوئے۔

مسلمانوں کی کامیابی کی وجہ

سپاہ کی تعداد اور سامانِ جنگ کی غیر معمولی کمی کے باوجود مسلمانوں کی شاندار فتح، تائیدِ الٰہی کا بیّن ثبوت تھی تاہم دنیاوی اسبابِ فتح نظر انداز نہیں کئے جا سکتے۔ سب سے پہلی وجہ قریش کا باہمی نفاق تھا۔ عتبہ اور کئی دوسرے سردار شروع ہی سے اس لڑائی کے خلاف تھے۔ اس لئے فوج میں یک دلی اور جوش نہ تھا۔ مسلمان چڑھائی کی جانب تھے۔ ان کی تعداد زیادہ معلوم ہو رہی تھی اور کفارِ مکہ دھوکا کھا گئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے کہ "وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے آپ سے دُگنا دیکھ رہے تھے" (سورۃ آل عمران)۔ کفار کی صفوں کا انتظام نہایت ابتر تھا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ فوجی ترتیب اور صف بندی تھی ہی نہیں لیکن مسلمانوں کی قطاروں کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک میں تیر لے کر درست کیا تھا۔ اس لئے اگرچہ فوج تھوڑی تھی لیکن منظم تھی۔ قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمرؓ کے قبیلے میں سے ایک شخص بھی شریکِ جنگ نہ ہوا اور یہ امر جہاں تک قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ صرف حضرت عمرؓ کے رعب دبدبہ کا اثر تھا۔

جنگِ بدر کی اہمیت اور اُس کے نتائج

۱۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح، تاریخِ اسلام میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ چند غریب الوطن، جو قریش کے ظلم و جور سے تنگ آ کر اور گھر بار چھوڑ کر مدینہ میں پناہ گزیں ہوئے تھے، آج اس قابل ہو گئے کہ ظالموں کو بزورِ شمشیر مار بھگایا۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اسلام کا حقیقی عروج یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ اب مسلمان محض جلاوطن اور بے خانماں مہاجر نہ تھے بلکہ ایک زندہ اور آزاد قوم تھے۔ علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں کہ "بدر کا معرکہ حقیقت میں اسلام کی ترقی کا اوّلین قدم تھا" یہ لڑائی درحقیقت شوکتِ اسلام کا سنگِ بنیاد تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جو لوگ اس میں شریک ہوئے وہ سارے کے سارے جنتی قرار دیئے گئے۔

۲۔ مٹھی بھر مسلمانوں کا اپنے سے تین گُنا اور مسلح فوج پر چند گھنٹوں میں غالب آ جانا معجزہ سے کم نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس فتح کو "حق کی حمایت میں فیصلۂ ربانی" کا درجہ حاصل ہے۔ ایک طرف دینِ اسلام اور اس کی اشاعت کا مسئلہ تھا۔ دوسری طرف باطل کی مادّی طاقتیں اسے مٹا دینے پر تُلی ہوئی تھیں۔ فتحِ بدر نے اسلام کو نصرت و فوقیت بخشی اور باطل کو محو کر کے دنیا بھر میں اشاعتِ اسلام کے دروازے کھول دیئے۔ اگر خدانخواستہ مسلمان ہار جاتے تو جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دُعا میں فرمایا تھا: "اگر اللہ کے یہ چند بندے آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک اس کا نام لیوا کوئی نہ بچے گا" مسلمان واقعی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتے اور یہ عالمگیر مذہب مدینہ سے آگے نہ بڑھنے پاتا لیکن میدانِ بدر کی فتح نے اسلامی عروج کی شان کو دوبالا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب صرف واعظ نہ تھے بلکہ پیغامِ حق اور حق پرستوں کی جانوں کی شمشیر سے بھی حفاظت کر سکتے تھے۔ دنیا آپ کی کامیابی کا لوہا مانتی ہے۔ چنانچہ معرکۂ بدر کے بعد ایسے لوگ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی سے متعلق شک میں تھے، کثیر تعداد میں ایمان لے آئے۔

(۳) مشاہیرِ قریش جو اسلام کے جانی دشمن تھے اس لڑائی میں ختم ہو گئے۔ ابوجہل، عتبہ، ولید، شیبہ، عاص بن العاص اور امیہ بن خلف، سب سرداروں میں سے تھے جن کے قتل ہو جانے سے قریش کی قوت ہمیشہ کے لئے زائل ہو گئی۔

(۴) منافقین اور بہت سے قبائلِ عرب جو واقعات کا رُخ دیکھ رہے تھے، فتحِ بدر کے بعد خوف کھانے لگے۔ اگرچہ وہ مسلمانوں سے اتحاد تو نہ کر سکتے تھے لیکن مخالفت چھوڑ دی، کیونکہ اب مسلمان اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی پوری قوت رکھتے تھے۔

(۵) "میثاقِ مدینہ" کی رو سے یہودیوں کو مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیئے تھا لیکن بجائے امداد کے انہوں نے عین وقت پر غیر جانبداری کا اعلان کر دیا۔ اب جبکہ مسلمان باوجود قلیل تعداد کے کفار پر غالب آ گئے تو یہودی ان کی روز افزوں ترقی دیکھ کر حسد کرنے لگے اور معاہدہ کو بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں سے کھُلم کھُلا دشمنی شروع کر دی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے خلاف قدم اُٹھانا پڑا۔ چنانچہ سب سے پہلے یہود کے قبیلہ قینقاع کو مدینے سے جلاوطن کیا۔

(۶) غزوۂ بدر کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا بالتفصیل ذکر کیا ہے اور سورۂ انفال خاص اس کے "احسانات و نعم" اور دیگر مسائل متعلقہ کی توضیح کے لئے نازل ہوئی۔ خدائے کریم نے فرشتوں کو مسلمانوں کی مدد کے لئے بھیجنے کا وعدہ فرما کر ثابت قدمی سے جہاد کرنے کی تاکید فرمائی اور فتح کی بشارت دی جس سے اس قلیل التعداد گروہ کے حوصلے بڑھ گئے۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کا حکم بھی اسی صورت میں ملا کہ غنیمت کا پانچواں حصہ خدا اور اس کے رسولؐ، اہلِ قرابت اور یتیموں اور مسکینوں وغیرہ کے لئے مقرر ہوا اور باقی فوج میں تقسیم کرنے کا حکم ہوا۔

••

ایماندار ملاح اور مکار تاجر

بغداد میں ایک تاجر کا بیگ کھو گیا، جس میں چار سو دینار تھے۔ اس تاجر نے پورے شہر میں اعلان کروا دیا کہ اس طرح کا بیگ کھو گیا ہے۔ جس شخص کو ملا ہو یا جو شخص اس بیگ کو تلاش کرے گا اسے بیگ میں موجود مالیت کا نصف دیا جائے گا۔ یہ بیگ ایک غریب ملاح کو ملا وہ بیگ لے کر سیدھا مالک کے پاس انعام کی توقع میں پہنچا لیکن بیگ دیکھ کر مالک کی نیت بدل گئی۔ اس نے ملاح سے کہا کہ اس بیگ میں نہایت قیمتی زمرد (ایک پتھر کا نام) بھی تھے کیا وہ بھی اس کے اندر ہیں۔ ملاح یہ سُن کر گھبرا گیا اور سمجھ گیا کہ تاجر اس سے دھوکا کر رہا ہے۔

اب ملاح اور مالک میں جھگڑا ہو گیا۔ آخرکار دونوں فیصلے کے لئے قاضی کے پاس پہنچے۔ قاضی نے ملاح سے زمرد کے متعلق پوچھا ملاح نے قسم کھا کر کہا اس بیگ میں دیناروں کے سوا کچھ نہ تھا۔ قاضی نے مالک سے پوچھا تو اس نے اوٹ پٹانگ جواب دیا۔ قاضی سمجھ گیا کہ تاجر جھوٹ بول رہا ہے۔ اور اس کی نیت انعام دینے کی نہیں۔

قاضی نے اپنا فیصلہ سُناتے ہوئے تاجر سے کہا۔ اے شخص تیرا دعویٰ ہے کہ تیرا بیگ کھو گیا ہے جس میں زمرد تھے۔ اور یہ جو بیگ ملاح لایا ہے اس میں کوئی زمرد نہیں۔ لہٰذا میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ بیگ تیرا نہیں، تو اپنے گمشدہ بیگ کے لیے پھر سے اعلان کروا۔ اس کے بعد قاضی ملاح سے مخاطب ہوا کہ یہ بیگ چالیس روز تک اپنے پاس احتیاط سے رکھو اگر اس کا کوئی دوسرا دعویدار نہ ہوا تو یہ بیگ بمعہ دینار تمہارا ہو گا۔ وہ تاجر سر پکڑ کر رہ گیا۔

دیکھا بچو! تاجر نے جو دھوکہ غریب ملاح کے ساتھ کیا اس کی اسے کیسی سزا ملی۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جو وعدہ کیا جائے اس کو ایفا کرنا چاہیئے۔ اور کسی سے مکر و فریب نہیں کرنا چاہیئے دوسرا سبق ہمیں غریب ملاح کی ایمانداری کا ملتا ہے کہ اس کو ایمانداری کا کتنا بڑا انعام ملا۔ لہٰذا ہمیں بھی دیانتداری اور ایمانداری سے کام لینا چاہیئے۔ (فرزانہ سلیم۔ گرین ٹاؤن)

قائداعظمؒ نے پاک افواج کے کمانڈر انچیف جنرل گریسی سے کہا کہ وہ بھی کشمیر میں فوجی یونٹ بھیجے مگر اس نے قائد کا یہ حکم نہیں مانا



وادیٔ کشمیر کی ایک انچ زمین پر بھی

حکومت نام کی کوئی چیز نہیں

"پنڈت جی کشمیر تمہارے باپ کی جاگیر نہیں۔"

مرحوم لیاقت علی خان نے جہانگیر پارک کراچی میں تقریر کرتے ہوئے برسوں پہلے یہ بات ہندوستان کے آنجہانی وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کو بتا دی تھی۔ لیکن نہ تو پنڈت جواہر لعل نہرو اور نہ ہی بعد میں ہندوستان کے کسی بھی رہنما کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ کشمیر کو زبردستی کشمیر رکھا نہیں جا سکتا۔ اب بھی آواز کشمیر سے یہی آ رہی ہے کہ کشمیر کسی کے باپ کی جاگیر نہیں، اور اب آزادی سے کم کسی اور بات پر بات نہ ہوگی۔

کشمیر میں عوامی جذبہ و غضب کا جو آتش فشاں پھٹا ہے، حریت پسندوں نے پوری ریاست میں جو آزادی کی لہر جگائی ہے اس کی آواز پوری وادی کے در و دیوار کو سنائی دے رہی ہے۔ ہندوستان کی مرکزی حکومت اور کشمیر کی کٹھ پتلی حکومت کے خلاف حریت پسندوں کی نفرت اور حقارت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ کشمیر کے کسی ایک چپہ پر بھی کسی حکومت کا وجود نظر نہیں آتا۔ بلکہ شہر کے سرکاری افسر یا بلدیاتی اہم شخصیات کو باقاعدہ نشانہ بنا دیا جاتا ہے یا ان کو یرغمال بنا کر اپنے یرغمالی ساتھیوں کو چھڑا لیا جاتا ہے۔ دہشت اور خوف کا یہ عالم ہے کہ سرکاری افسروں کے علاوہ بااثر افراد کو بھی یہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ ان کو کسی بھی وقت کسی بھی جگہ گولی کا نشانہ بنا دیا جائے گا۔ ان افراد کو یہ بھی معلوم ہے کہ ان سب کے نام حریت پسندوں کی "ہٹ لسٹ" میں ہیں۔

آزادی کی لہر جس سرعت کے ساتھ اٹھ رہی ہے اس کا خوف ہندوستان کی سرکار کو دن بدن بڑھتا

محمد احمد صدیقی

ہی جا رہا ہے جس قدر خوف ہندوستان کی مرکزی حکومت کو بڑھتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ کشمیر میں جبر و تشدد سے کام لیتی ہے۔ جس کا تذکرہ کبھی کبھی ہندوستان کے نڈر اور بیباک اخبار بھی کرتے رہتے ہیں۔ ہندوستان کا ہفت روزہ "اخبار نو" کا تجزیہ ہے کہ اگر کشمیر صرف زمین کے کسی ٹکڑے کا نام ہے تو یہ بھارت کا ایک حصہ ہے۔ لیکن اگر کسی خطے کی پہچان وہاں کے عوام سے ہوتی ہے تو ہمیں اس تلخ حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ آج کشمیری عوام ہمارا حصہ نہیں رہ گئے ہیں۔ اب ہندوستانی اخبار گلاب سنگھ کا بھی ذکر کرنے لگے ہیں۔ کشمیر کو ساڑھے لاکھ روپیہ کے عوض فروخت کرنا اور کشمیریوں کو ہمیشہ ہمیشہ غلام بنا دینے کی تاریخی دستاویزات بھی منظر عام پر آ رہی ہیں۔

ہندوستان کے تجزیہ نگاروں نے موجودہ صورتحال کی ذمہ داری گورنر جگ موہن اور راجیو سرکار پر ڈالنا شروع کر دی ہے لیکن حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ کشمیریوں کو غلام بنانے والے اصل میں پنڈت جواہر لعل نہرو ہیں، ۱۹۴۷ء میں جب برصغیر آزادی کی فضاؤں میں سانس لینے جا رہا تھا تو دنیا کو معلوم ہے کہ کشمیریوں کو غلام بنانے کے لئے پنڈت جواہر لعل نہرو نے ماؤنٹ بیٹن سے مل کر کس طرح ساز باز کی اور کشمیر تک رسائی کے لیے گورداسپور کا راستہ کس طرح حاصل کیا اور فوجی قوت کی برتری کی بنا پر کشمیریوں کو غلام بنانے میں کیسے مکر و فریب سے کام لیا۔ کشمیر کے مرد آہن شیخ عبداللہ سے کس طرح میر صادق اور میر جعفر کا کام لیا، اور پھر مسئلہ کشمیر ہندوستان اور پاکستان کا سب سے زیادہ سنگین مسئلہ بن گیا۔

کشمیریوں کی غلامی ایک دن کی نہیں ہے یہ صدیوں

کا تاریخی جرم ہے اس سازش میں انگریز، ہندو اور ڈوگرہ سب ہی شامل ہیں اور اس کا مقصد مسلمانوں کے غداروں نے بھی دیا ہے۔ کشمیر میں آزادی کا ہر کو وعوام انتخاب ہے وہ رنگ ونسل کی زیادتیاں ہیں اور یہی وجہ ہے سیاسی بلکہ صدیوں کی وہ محرومیاں ہیں جو آزادی کے بعد بھی کشمیریوں کو گھیرے ہوئے ہیں۔ آئیے اس کو تاریخ کے آئینہ میں دیکھیں۔

ریڈ کلف ایوارڈ کے ذریعہ مسلم اکثریتی ضلع گورداسپور کو بھارت میں شامل کر دیا گیا جو کشمیر جانے کا واحد راستہ ہے۔ گورداسپور کی صرف ایک تحصیل پٹھان کوٹ ایسی تھی جہاں غیر مسلموں کی اکثریت تھی اگر ریڈ کلف صرف پٹھان کوٹ کی تحصیل ہی بھارت کو دیتا تب بھی وہ کشمیر جانے کا راستہ حاصل نہیں کر سکتے تھے کیونکہ پٹھان کوٹ تحصیل بٹالہ اور گورداسپور شہر سے گھری ہوئی تھی مگر ریڈ کلف نے پٹھان کوٹ کے ساتھ مزید دو تحصیلیں بٹالہ اور گورداسپور بھی بھارت کو دیکر کشمیر کا راستہ صاف کر دیا جبکہ ضلع گورداسپور کی چوتھی تحصیل شکر گڑھ پاکستان کو دیدی گئی۔

۱۳ ستمبر ۱۹۴۷ء کو سردار پٹیل نے سردار بلدیو سنگھ بھارتی وزیر دفاع کو لکھا کہ مجھے سری نگر دربار سے ایک ٹیلیگرام ملا ہے جس میں مہاراجہ کشمیر نے درخواست کی ہے کہ کشمیری فوج کا کمانڈر انچیف لفٹیننٹ کرنل کشمیر سنگھ کو بنا دیا جائے۔ کیونکہ میجر جنرل اسکاٹ ریٹائر ہو رہے ہیں۔

۲۱ ستمبر کو مہاراجہ نے کشمیر کا وزیر اعظم مہر چند مہاجن کو بنا دیا۔ ۲۵ اکتوبر کو ماؤنٹ بیٹن نے سردار پٹیل کو خط لکھا جس میں کشمیر سے متعلق اہم اطلاعات فراہم کی گئیں۔ یہ اطلاعات ماؤنٹ بیٹن کو جنرل ریس (REES) نے دی تھیں جو پنجاب باؤنڈری کا کمانڈر تھا۔

ان تمام باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ بھارت انگریزوں سے مل کر کشمیر پر قبضہ کرنے کے لیے ایک

کراچی اور حیدر آباد کے ہنگامے کشمیر کی جدوجہد کو سبوتاژ کر سکتے ہیں

باقاعدہ سازشی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔

جب ریڈ کلف ایوارڈ کا اعلان ہوا تو قائد اعظم نے اسے غیر منصفانہ، نامکمل اور بالکل غلط قرار دیا۔ یہ علاقائی نہیں بلکہ ایک سیاسی ایوارڈ ہے۔ ہم مجبوری سے قبول کر رہے ہیں۔ قائد اعظم نے کشمیر جا کر براہ راست مہاراجہ سے گفت و شنید کرنا چاہی اس سے پیشتر گاندھی جی اور آچاریہ کرپلانی بحیثیت صدر کانگریس کشمیر جا چکے تھے مگر مہاراجہ نے قائد اعظم سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔

۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی شام کو قائد اعظم کو اطلاع ملی کہ بھارت نے کشمیر میں فوجیں اتار دی ہیں قائد اعظم اس وقت لاہور میں تھے انہوں نے فوراً پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف جنرل گریسی سے کہا کہ وہ بھی کشمیر میں اپنے فوجی یونٹ بھیجیں مگر جنرل گریسی نے قائد اعظم کا یہ حکم نہیں مانا۔ بلکہ اس نے سپریم کمانڈر فیلڈ مارشل آچنلک کو دہلی میں ٹیلیفون کر دیا حالانکہ سپریم کمانڈر کو پاکستان کے لئے کوئی آپریشنل اختیارات حاصل نہیں تھے دریں اثنا بھارت نے انگریز کمانڈر جنرل ڈڈلی رسل کی سرکردگی میں مزید فوجی دستے کشمیر میں اتار دیئے ماؤنٹ بیٹن نے بحیثیت گورنر جنرل بھارت، مہاراجہ کشمیر سے کہا کہ بھارتی فوجی امداد کے بدلے وہ کشمیر کا بھارت سے الحاق کے کاغذات پر دستخط کر دے چنانچہ مہاراجہ نے ایسا ہی کیا۔ پاکستان کے جوابی اقدامات کو پاکستان کے انگریز افسروں کے عدم تعاون نے بیکار کر دیا۔

۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کو کشمیر میں فائر بندی کی تجویز منظور ہوئی۔ ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کو اقوام متحدہ نے استصواب رائے کی قرارداد منظور کی اور اسی دن سے فائر بندی کے سمجھوتہ پر عملدرآمد شروع ہوا۔ گلگت اسکاؤٹ اور آزاد قبائل نے دراس، زوجیلا پاس اور کارگل کے اہم اسٹریٹجک مقامات پر قبضہ کر لیا تھا مگر جنرل گریسی نے پاکستانی فوجوں کی پیش قدمی کو روک کر ان علاقوں پر دوبارہ بھارتی فوجوں کو قبضہ کرنے کی چھوٹ دیدی۔

۲۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ نے کمیشن برائے انڈیا اور پاکستان قائم کیا۔ اس کمیشن نے اپنی رپورٹ پیش کرنے میں بہت عرصہ لگایا تاہم اس کی رپورٹ پر اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل نے یکم جنوری

ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرلینا چاہیئے کہ کشمیری عوام ہمارا حصہ نہیں رہ گئے ہیں (اخبار نو - دہلی)

۱۹۴۹ء کو استصواب رائے کی قرارداد منظور کی متعلقہ کمیشن کے انڈو پاک مذاکرات کی روشنی میں اقوام متحدہ نے ۱۹۵۰ء میں سیکورٹی کونسل کے صدر جنرل میک ناٹن کو اور ۱۹۵۱ء میں اوون ڈکسن اور فرینک گراہم کو اقوام متحدہ کا نمائندہ برائے تنازع کشمیر مقرر کیا۔ بھارت نے معمولی معمولی امور کو زیر بحث لا کر اقوام متحدہ کے نمائندوں کو مسئلہ کشمیر میں الجھا دیا۔

سابق صدر امریکہ ٹرومین اور سابق وزیر اعظم برطانیہ ایٹلی نے ۳۰ اگست ۱۹۴۹ء کو ایک مشترکہ اپیل میں بھارت اور پاکستان پر مسئلہ کو حل کے لئے زور دیتے ہوئے ثالثی کی پیشکش کی۔ پاکستان تیار ہو گیا مگر بھارت نے ثالثی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد ۱۹۵۸ء تک جو حکومتیں رہیں انہوں نے کشمیر کے حساس مسئلہ کو اہمیت نہ دی۔

۲۷ مارچ ۱۹۵۳ء کی رپورٹ (جو اقوام متحدہ کے نمائندے فرینک گراہم نے ترتیب دی تھی) سے پتہ چلتا ہے کہ پاکستان نے اقوام متحدہ کی لگائی گئی تمام پابندیوں کو صدق دل سے قبول کیا جبکہ بھارت نے ہر معاملہ میں دھوکہ دہی سے کام لیا مگر حیرت کی بات ہے کہ اس رپورٹ کو کشمیر کے مسئلہ پر بحث کے دوران اقوام متحدہ میں کبھی زیر غور نہیں لایا گیا اور پاکستان کے نمائندے نے اس پر زور نہیں دیا۔

اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انڈیا و پاکستان کی قرارداد ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء سیکورٹی کونسل کی قرارداد ۵ جنوری ۱۹۴۹ء، ذیلی قراردادیں بمطابق ۱۴ مارچ ۱۹۵۰ء، ۳۰ مارچ ۱۹۵۱ء، ۱۰ نومبر ۱۹۵۱ء اور ۲۳ دسمبر ۱۹۵۲ء میں تمام استصواب رائے اور کشمیر سے فوجیں ہٹانے سے متعلق ہیں ان میں

باقی صفحہ ۳۵ پر

سری لنکا

افغانستان

ہانگ کانگ

صدر پریماداسا کا

اسرائیلیوں کے خلاف جرأتمندانہ اقدام

نجیب کی مصالحانہ پالیسی ناکام

دولت مند مگر باغی اور منحرف خطہ

اسرائیل ٹرنکومالی کا اہم فوجی اڈہ امریکہ کو دلانا چاہتا ہے

جے وردھنے
دیکھ چکے تھے کہ پاکستان
سے جنگ کے موقع پر اسرائیل
نے کس طرح درپردہ بھرپور
طریقے سے بھارت کی مدد کی تھی

سری لنکا کے صدر رانا سنگھے پریماداسا نے اپنے ملک کی سرزمین سے بھارتی فوجوں کو نکال کر ایک اور اہم اور جرأت مندانہ قدم اٹھایا ہے انہوں نے ۲۰ مارچ ۱۹۹۰ء کو امریکی سفارت خانے میں قائم اسرائیلی مفادات کی نگرانی کرنے والے شعبہ کو بند کرنے کا حکم دے دیا ایک سرکاری اعلامیہ کے مطابق صدر پریماداسا نے متعلقہ شعبہ کو اپنا بوریا بستر سمیٹنے کے لئے ایک ماہ کی مدت دی ہے۔ ۲۰ اپریل تک یہ صیہونی ادارہ اپنا سامان لپیٹ کر سری لنکا سے نکل جائے گا۔

سری لنکا کے سابق صدر جے وردھنے نے مذکورہ اسرائیلی شعبہ کو اس وقت امریکی سفارت خانے میں کام کرنے کی اجازت دی تھی جب وہ بھارتی جارحیت کے ہاتھوں سخت پریشان تھے اور مایوسی کے عالم میں انہیں اس کے سوا کوئی چارہ دکھائی نہیں دیا کہ وہ تامل گوریلوں کی دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے اسرائیل سے مدد طلب کریں جنہیں بھارتی فوجی جنوبی ہند میں باقاعدہ تربیت دے کر سری لنکا کے شمالی صوبہ جافنا میں تخریبی کارروائیوں کے لئے بھیج رہے تھے یاد رہے کہ اسرائیل نے فلسطینی گوریلوں کی چھاپہ مار سرگرمیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اس سلسلہ میں خصوصی مہارت حاصل کی ہوئی ہے اس کا جاسوسی ادارہ "موساد" انٹی ٹیررسٹ کے طور پر مشہور ہے یہ الگ بات ہے کہ یہ ادارہ دنیا میں سب سے زیادہ دہشت گردی کی وارداتوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ لیکن دنیا کے بیشتر خبر رساں اداروں پر یہودیوں کا قبضہ ہے ان کی پھیلائی ہوئی خبروں کے ذریعہ اس ادارہ کی بدنامیوں کو نیک نامیوں میں بدل دیا جاتا ہے۔

سابق صدر جے وردھنے کی کال پر اسرائیل نے بڑی سرعت کے ساتھ "موساد" کے ماہر سری لنکا بھیج دیئے اور ۱۹۸۴ء میں امریکی سفارت خانے میں اپنے مفادات کی نگرانی کا شعبہ کھول دیا ماہرین موساد کو مندرجہ ذیل امور سونپے گئے۔

۱:۔ سری لنکا کی خفیہ سروس کو تربیت دینا

۲:۔ تامل گوریلوں کی پھیلائی ہوئی چھاپہ مار جنگ سے نمٹنے کے طریقے سری لنکا کی افواج کو سکھانا۔

۳:۔ سری لنکا کی فضائیہ کے ہوابازوں کی تربیت کا انتظام کرنا۔

۴:۔ سری لنکا کو نرم شرائط پر جدید اسلحہ کی فروخت کے لئے سفارشات پیش کرنا۔

سری لنکا نے "موساد" سے کیا حاصل کیا اور کیا نہیں کیا یہ الگ بحث ہے مگر اسرائیل کے بدنام زمانہ جاسوسی ادارہ "موساد" کو اپنی سرزمین پر کام کی اجازت دے کر سابق صدر جے وردھنے نے اپنی نیک نامی پر بٹہ لگایا تھا کیونکہ یہ ادارہ اپنی تخریبی اور دہشت انگیز کارروائیوں کی بدولت پوری دنیا میں ایک "گالی" سمجھا جاتا ہے اس ادارہ نے برطانیہ میں نائیجیریا کے وزیر ٹرانسپورٹ کو اغوا کیا۔ رباط میں پی ایل او کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کرایا نیز بہت سے بین الاقوامی قتل میں یہ ادارہ ملوث رہا ہے جن میں دنیا کی اہم شخصیات کو نشانہ بنایا گیا۔

سری لنکا نے ۱۹۷۰ء میں اسرائیل سے اپنے سفارتی تعلقات ختم کرلئے تھے اور ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ کے موقع پر کھل کر عربوں کا ساتھ دیا سری لنکا مسلم ممالک کے اس مطالبہ میں ہم آواز تھا جس میں کہا گیا تھا کہ اسرائیلی فوجیں ۱۹۶۷ء کی جنگ سے پہلے کی سرحدوں پر واپس چلی جائیں۔ لیکن جے وردھنے بھارتی جارحیت اور ممکنہ حملے سے اتنے خوفزدہ تھے کہ انہوں نے اسرائیلی جاسوسی ادارہ کو اپنے ہاں بٹھا لیا تاکہ بھارت کو دباؤ میں لایا جاسکے۔ جے وردھنے دیکھ

احوالِ جہاں

داؤد توفیق احمد

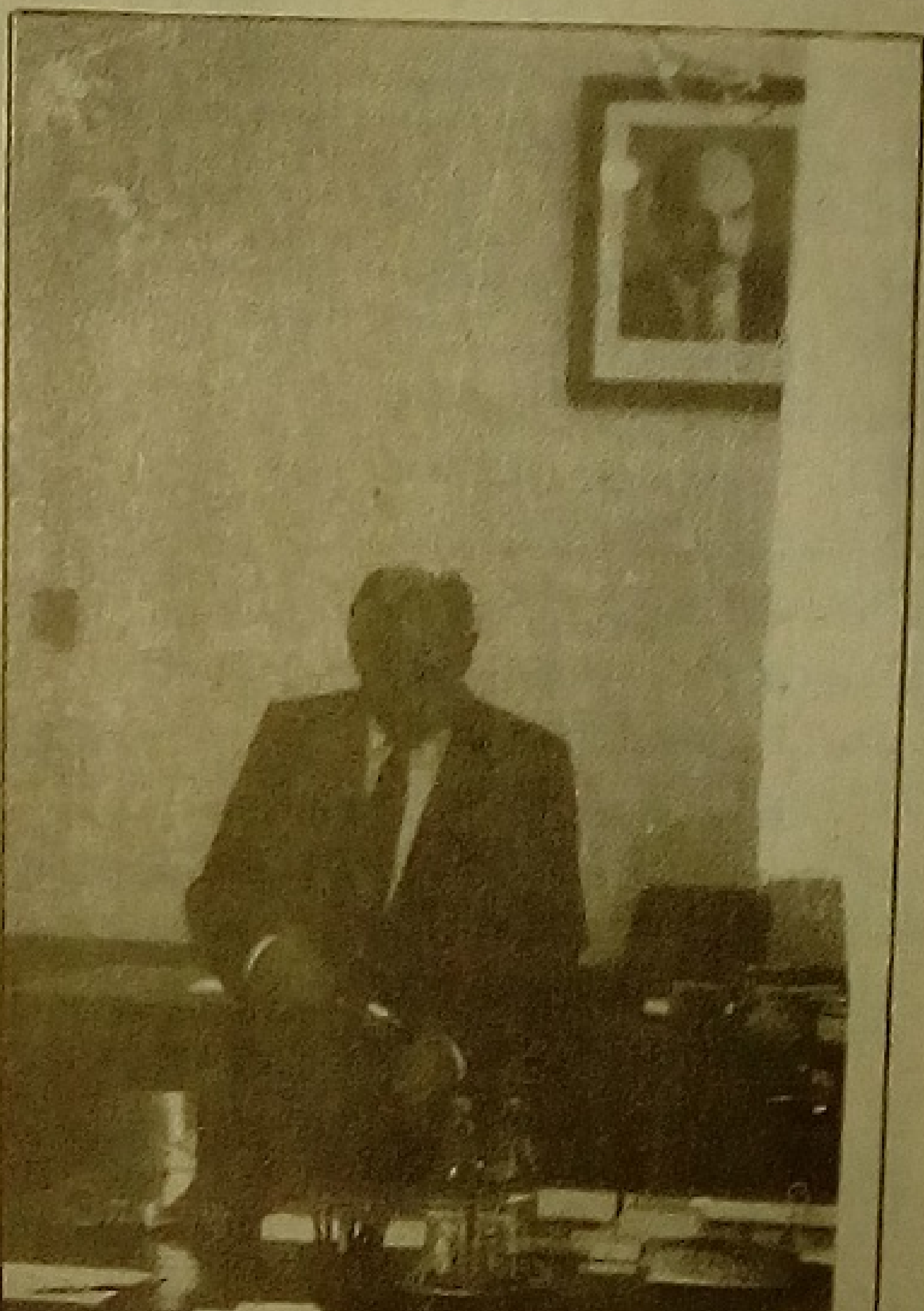


جبکہ قبل ازیں پاکستان سے جنگ کے موقع پر ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں اسرائیل ہی کی طرف سے درپردہ بھرپور طریقے سے بھارت کی مدد کی تھی۔ سری لنکا سے جنگ کی صورت میں وہ بھارت کو اسرائیل کی خوفناک مدد سے باز رکھنا چاہتے تھے۔

صدر پریماداسا نے سابق صدر جے وردھنے کے اسرائیل سے تعلقات قائم کرنے کے فیصلے کے برے اثرات محسوس کرلئے۔ اس فیصلے سے سری لنکا مسلم ممالک اور خاص طور سے عرب ممالک سے دور ہوگیا تھا۔ پھر ان پر یہ بھی انکشاف ہوگیا کہ دوستی کی آڑ میں اسرائیل "ٹرنکومالی" کا اہم فوجی اڈہ امریکہ کو دلانا چاہتا ہے۔ یہ اڈہ بحر ہند پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے زبردست فوجی اہمیت کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سری لنکا کو آزادی دینے کے باوجود برطانیہ اس اڈے کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ بڑی جدوجہد اور دولت مشترکہ سے نکلنے کی دھمکی دیکر سری لنکا نے یہ بحری اور فضائی اڈہ برطانیہ سے حاصل کیا جس پر اس وقت سے امریکہ کی نظریں لگی ہوئی ہیں اور جسے وہ اسرائیل کے جاسوسی ادارہ "موساد" کے ذریعے سری لنکا سے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ امریکہ کے پاس اس اڈہ کا ہونا اسرائیل کے قبضہ میں ہونے کے مترادف ہے جہاں بیٹھ کر اسرائیل بڑی آسانی سے جنوبی ایشیا میں اپنے مخالف ممالک کو نشانہ بنا سکتا تھا۔

سری لنکا میں اسرائیل کی موجودگی اور وہاں اس کے فوجی ٹھکانوں کا قیام نہ صرف علاقہ کے ان ممالک کے لئے ایک خطرہ تھا جو عرب ممالک کے مقابلہ میں اسرائیل کی مخالفت کرتے ہیں بلکہ پاکستان کی سالمیت بھی خطرے میں پڑ جاتی اور پاکستان کا کہوٹہ ایٹمی پلانٹ اسرائیل کے نشانوں کی زد میں آجاتا۔

اس لحاظ سے صدر پریماداسا نے ۱۹۸۴ء سے امریکی سفارت خانے میں قائم شدہ اسرائیلی مفادات کی نگرانی کے شعبہ کو بند کرکے نہ صرف سری لنکا کو اسرائیلی ریشہ دوانیوں سے بچایا ہے بلکہ صیہونیت کے مخالف اپنے پڑوسی علاقائی ممالک اور خاص طور سے پاکستان کو اسرائیلی چیرہ دستیوں سے محفوظ کیا ہے۔ صدر پریماداسا بلاشبہ اس جرأت مندانہ اقدام پر خراج تحسین کے مستحق ہیں۔ پاکستان کی حکومت کو عزت مآب صدر پریماداسا کے اس اقدام کو سراہتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔



جمہوریت پسند گورباچوف اور اشتمالیت پسند لینن

پرنس صدرالدین نے کہا جب تک افغانستان میں اقتصادی بحالی کا کام شروع نہیں ہوگا۔ اس وقت تک وہاں قیام امن کی کوششیں بارآور نہیں ہوسکتیں۔ سیاسی کشمکش کے خاتمہ کے لئے اقتصادی مسائل کا حل ضروری ہے۔ تب ہی وہاں پر سیاسی مسئلہ کا کوئی حل تلاش کیا جاسکے گا۔ اقوام متحدہ کے اس اعلی الطبر افسر نے مزید کہا کہ اگر افغانستان میں امن وسکون کے علاقے قائم کردیئے جائیں، جہاں لڑائی نہ ہو تو افغان پناہ گزین واپس وطن جانے کے لئے تیار ہو جائیں گے بشرطیکہ امدادی ایجنسیاں ان علاقوں میں آبپاشی کے وسائل مہیا کریں۔ مکانات تعمیر کریں اور بارودی سرنگوں کو جو وہاں بچھی ہوئی ہیں راستوں سے ہٹا دیں۔ اقوام متحدہ کا ادارہ افغانستان میں بقول پرنس صدرالدین اس قسم کے سات امن علاقے قائم کرنے پر غور کررہا ہے۔ اس اسکیم کو روس، امریکہ اور افغان انتظامیہ کی حمایت بھی حاصل ہوگئی ہے اور افغان مجاہدین کی عبوری حکومت کے سربراہ پروفیسر مجددی نے بھی یہ اسکیم منظور کرلی ہے بشرطیکہ افغان انتظامیہ ان علاقوں پر بمباری نہ کرنے کی تحریری یقین دہانی کرائے۔

افغانستان میں دس سالہ جنگ کی وجہ سے کوئی عمومی سیاسی اتفاق بڑا مشکل ہوگیا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ افغانستان کے عوام میں اب امن کی زبردست خواہش پائی جاتی ہے۔ پچھلے ہفتہ امریکہ اور سوویت یونین کے وزرائے خارجہ کے درمیان جو بات چیت ہوئی اس میں افغانستان کے مسئلہ پر بھی پیش رفت ہوئی ہے۔ سوویت یونین نے اصولی طور پر اس بات کو تسلیم کرلیا کہ افغانستان میں ایک ایسی عبوری حکومت کی ضرورت ہے جو سب کے لئے قابل قبول ہو اور جس کی نگرانی میں وہاں عام انتخابات منعقد کرائے جائیں۔ یاد رہے کہ جے یو پی کے صدر

مولانا نورانی نے "احوال" کو انٹرویو دیتے ہوئے یہ بات کہی تھی کہ افغانستان کے مسئلہ کا حل یہ ہے کہ وہاں اقوام متحدہ کی زیر نگرانی عام انتخابات کرائے جائیں اور حکومت منتخب نمائندوں کو دے دی جائے روس اور امریکہ اب اسی سیاسی حل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

پرنس صدرالدین کا خیال ہے کہ افغانستان میں قیام امن کا عمل بتدریج آگے بڑھایا جائے اور اس عمل میں اقتصادی امداد اہم کردار ادا کرے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر افغان چھاپے ماروں کے کمانڈروں کو یہ پیشکش کی جائے کہ اگر وہ اپنے اپنے زیر اثر علاقوں میں امن قائم رکھیں تو ان کو بھرپور اقتصادی امداد دی جائے گی ان کے خیال کے مطابق چھاپہ مار کمانڈر یہ پیشکش رد نہیں کر سکیں گے۔ اور کمانڈروں کی جانب سے اس پیشکش کو قبول کر لینے کی صورت میں افغان پناہ گزینوں کی واپسی ممکن ہو جائے گی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ایسی کسی کوشش کو افغان مجاہدین شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان میں باہمی اعتماد اور اتفاق کی بھی کمی ہے مثلاً افغان عبوری حکومت کے وزیر اعظم سیاف پناہ گزینوں کی اس وقت تک واپسی کے مخالف ہیں جب تک کابل میں اسلامی حکومت قائم نہیں ہو جاتی۔

اقوام متحدہ اور اس کی ذیلی تنظیموں کے پاس بہر حال اتنے وسائل نہیں ہیں کہ وہ تمام پناہ گزینوں کی واپسی اور ان کی آبادکاری کا کام تنہا انجام دے سکیں وہ پناہ گزینوں کی واپسی کے بعد ان کی حفاظت کا ذمہ بھی نہیں لے سکتیں اس لئے اقتصادی امداد کے ذریعہ افغانستان میں قیام امن کی تجویز کو عملی جامہ پہنانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

افغانستان کے شہر ہرات کے نزدیک صدر نجیب اللہ کی قومی مصالحتی پالیسی کی حمایت کی غرض سے ہزاروں مجاہدین ایک تقریب میں شرکت کے لئے جمع ہوئے تھے لیکن جیسے ہی تقریب کا آغاز ہوا چھاپہ ماروں کے ایک گروہ نے اندھا دھند گولیاں چلانا شروع کر دیں جس کے نتیجہ میں درجنوں افراد زخمی ہو گئے مرنے والوں میں پانچ جنرل شامل ہیں جن میں اس تقریب کے انچارج لیفٹیننٹ جنرل جلال بھی ہیں اور زخمی ہونے والوں میں چھوٹے بچے بھی شامل ہیں۔ اگر دو سرکاری ٹینک مداخلت کر کے ہجوم کے بیچ میں نہ گھس جاتے تو مرنے والوں کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ سکتی تھی ہرات



مولانا نورانی نے
"احوال" کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ
افغانستان میں اقوام متحدہ
کی زیر نگرانی
عام انتخابات کرا کے حکومت
حکومت منتخب نمائندوں
کو دے دی جائے روس اور امریکہ
اب اسی سیاسی حل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

کے گورنر خلیق یار بھی شدید زخمی ہوئے ہیں سرکاری فوجوں کی کارروائی کے نتیجہ میں تمام حملہ آور افغان چھاپہ مار ہلاک ہو گئے۔

یہ واقعہ ہرات سے تیس میل دور پشتون زرغون کے مقام پر ہوا جہاں تقریباً تین ہزار افغان مجاہدین اپنے سات ہزار حامیوں کے ہمراہ صدر نجیب کی حمایت کے لئے وہاں جمع ہوئے تھے۔ مگر تقریب شروع ہونے سے پہلے ہی ایک المناک انجام سے دوچار ہو گئی جیسے ہی صوبائی گورنر مجاہدین کے کمانڈروں سے ملنے کے لئے آگے بڑھے اچانک فائرنگ شروع ہو گئی کئی مسلح افراد نے قریب سے ہی گولیاں چلانا شروع کر دی تھیں۔ اور چند منٹ میں ہی بڑی تعداد میں بچے اور بڑے ہلاک ہو کر ڈھیر ہو گئے غیر ملکی سفارت کار اور اخباری نمائندے جنہیں اس تقریب میں شرکت کے لئے خاص طور سے ایک ہوائی جہاز کے ذریعہ ہرات لایا گیا تھا، جان بچانے کے لئے زمین پر لیٹ گئے اور وہ اس خوفناک فائرنگ میں بال بال بچ گئے۔

اس تازہ واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ افغانستان کے متحارب گروپوں میں کتنی شدید نفرت ہے نیز صدر نجیب اللہ کی قومی مصالحتی پالیسی کے کامیاب ہونے کے کتنے کم امکانات ہیں۔ یقیناً اس سانحہ سے صلح کی کوششوں کو دھکا لگا ہے۔ اس قسم کی کوششوں کو بیشتر مجاہدین کی تنظیمیں پہلے ہی مسترد کر چکی ہیں۔

دریں اثنا روس اور امریکہ کے وزرائے خارجہ کے مابین ہونے والے مذاکرات میں افغانستان میں امن قائم کرنے کے معاملہ پر یہ دونوں طاقتیں اب عملی طور پر متفق ہو چکی ہیں کیونکہ یہ دونوں ممالک اب اس مسئلہ سے تنگ آ چکے ہیں۔ وجہ اختلاف صرف نجیب کی ذات رہ گئی ہے امریکی چاہتے ہیں کہ نجیب کو انتخابات سے پہلے ہٹایا جائے جبکہ روسی انتخابات کے مرحلہ تک نجیب کو افغانستان میں برسر اقتدار رکھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ انہیں نجیب حکومت کو کابل میں قائم رکھنے کے لئے بہت اخراجات برداشت کرنے پڑ رہے ہیں۔ اب یہ واضح ہو گیا ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان بڑھتے ہوئے مصالحانہ رویہ کے سبب روس اور امریکہ میں افغانستان کی وہ اہمیت نہیں رہی جو ۱۹۸۰ء کے عشرے میں تھی۔ دونوں ممالک اب شدید اختلافات کے خاتمہ کے لئے کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے تقسیم بندی کی پالیسی کو ترک کرنا شروع کر دیا ہے ایسا لگتا ہے کہ واشنگٹن اور ماسکو افغانستان کو ۱۹۷۹ء کے مبہم دور کے حوالہ کر دینا چاہتے ہیں۔ بہر حال سپر طاقتیں اپنی مرضی کے مطابق افغانستان میں امن قائم نہیں کر سکتیں کیونکہ نجیب اللہ اور افغان مجاہدین میں سے کوئی بھی فریق اتنا کمزور نہیں جسے آسانی سے راستہ سے ہٹایا جا سکے۔ افغان مجاہدین کے گروپ نجیب اللہ کی حکومت کا خاتمہ اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں دوسری جانب ڈاکٹر نجیب اللہ کی حکومت روسی فوجوں کی واپسی کے بعد بھی اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب رہی ہے۔ اس صورت حال سے نجیب اور اس کے ساتھیوں کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے، جنرل تنائی کی حالیہ بغاوت کی ناکامی نے ڈاکٹر نجیب اللہ کی مزید حوصلہ

افزائی کرتے ہیں۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر افغانستان میں صرف نظریاتی تصادم ہی نہیں ہے بلکہ اختلافات کے دیگر عوامل بھی ہیں۔ ذاتی اور قبائلی دشمنیاں دوستیاں اور وفاداریاں اس ملک کے سیاسی حالات کو رنگ دینے میں نہایت اہم رول ادا کرتی ہیں دیگر سماجی عناصر نے جن میں ناجائز اسلحہ اور منشیات کا کاروبار کرنے والے بھی شامل ہیں سیاسی حالات کو مزید پیچیدہ کر دیا گیا ہے۔ اور رہی سہی کسر شہر زرغون کے حالیہ خونریز واقعہ نے پوری کر دی اس کے علاوہ گلبدین حکمت یار اور تنائی کا اتحاد باعث نزاع بنا ہوا ہے۔ جنرل تنائی کی حالیہ ناکام بغاوت کے بعد حکمت یار کے گروپ سے ان کا اتحاد ایک اجتماع ضدین ہے۔ تنائی ایک کمیونسٹ مشہور تھے جبکہ گلبدین حکمت یار اسلامی نظام کے دعویدار ہیں۔

افغانستان کی موجودہ مذکورہ بالا سیاسی صورتحال کے پس منظر میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ صدر بش اور صدر گورباچوف کی عنقریب ہونے والی سربراہی ملاقات میں افغان مسئلہ کا کوئی قابل عمل حل نکلنا مشکل ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ دباؤ ڈالنے کے لئے کابل انتظامیہ اور افغان مجاہدین کے سلسلے میں اپنی اپنی امداد کی کمی کر دیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امریکی حکومت، سعودی عرب اور پاکستان سے بھی ایسا ہی کرنے کو کہیں۔ بہرحال بش گورباچوف کی سربراہی کانفرنس میں اگر افغان مسئلہ پر کچھ پیش رفت ہوئی بھی تو افغانستان مسئلہ کا فوری حل نکلنا مشکل دکھائی دیتا ہے۔

ہانگ کانگ کا جزیرہ ۱۹۹۷ء میں برطانوی عملداری سے نکل کر چین کی مملکت میں شامل ہو جائیگا۔ یہ انتقال اقتدار برطانیہ اور چین کے مابین ایک معاہدہ کے تحت ہو رہا ہے جس پر ۱۹۸۴ء میں عملدرآمد شروع ہوگا۔ حال ہی میں چینی پارلیمنٹ نے اس معاہدہ کے سلسلے میں ایک بنیادی قانون منظور کیا ہے پارلیمنٹ کے ممبران نے جب اس بنیادی قانون کی منظوری کا اعلان کیا تو بھرپور تالیوں سے اس کا خیر مقدم کیا گیا چینی پارلیمنٹ کے ۲۷۰۰ اراکین میں سے صرف پچاس ایسے ممبران تھے جنہوں نے اس قانون پر ہونے والی ووٹنگ میں حصہ نہیں لیا۔

یہ قانون جسے چینی پارلیمنٹ کی مقرر کردہ کمیٹی نے چار سال کی سوچ بچار کے بعد تیار کیا ہے ہانگ کانگ میں متنازع بن گیا۔ حالانکہ یہ قانون چین کے اس وعدہ کی تجدید کرتا ہے جس کے تحت ہانگ کانگ میں چین کی عملداری میں آنے کے باوجود پچاس سال تک سرمایہ دارانہ نظام جاری رہے گا۔ تاہم اس قانون کے کچھ سخت حصے اس بات کے عکاس ہیں کہ پچھلے سال جمہوریت کے حق میں چلائی جانے والی طلباء تحریک نے چینی قیادت کو محتاط بنا دیا ہے وہ ہانگ کانگ میں ایسے حالات کا اعادہ نہیں چاہتی ابھی ۱۹۹۷ء آنے میں سات سال باقی ہیں مگر چینیوں نے پہلے ہی پیش بندی کرنا شروع کر دی ہے۔ مجوزہ قانون کی ایک شق کے مطابق ہانگ کانگ میں ۱۹۹۷ء کے بعد حکومت مخالف سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔ اس قانون کے ذریعہ ہانگ کانگ میں جمہوری اصلاحات کے عمل کو بہت سست رو بنا دیا گیا ہے۔ جبکہ ہانگ کانگ کے عوام کو توقع تھی کہ جمہوری عمل کی رفتار تیز رکھی جائے گی۔

بیجنگ میں اس بنیادی قانون کے منظور ہونے کے بعد ہانگ کانگ میں قانون ساز کونسل کا اجلاس ہوا جس میں اس نے واضح اکثریت سے ایک تحریک منظور کی، جس میں کہا گیا ہے کہ ہانگ کانگ کی خوشحالی کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ بنیادی قانون میں ترمیم کی جائے۔ یہ قانون جمہوریت کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ثابت ہوگا اس لئے یہ ہانگ کانگ کے لوگوں کے لئے قابل قبول نہیں۔

قانون ساز کونسل کے ایک رکن ڈاکٹر ینوانگ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ قانون یکطرفہ اور جابرانہ ہے اس لئے ہم اسے قبول کرنے سے قاصر ہیں کونسل کی قانون رکن مسز یغنی کون نے کہا کہ عوام کے جذبات مشتعل کر کے خوشحالی حاصل نہیں کی جا سکتی اس قانون سے عوام کے جذبات مشتعل ہونا ایک فطری بات ہے انہوں نے مزید کہا کہ ہانگ کانگ ایک دولت مند بین الاقوامی مالیاتی مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باغی اور منحرف خطہ بھی ہے جہاں کے عوام نہیں چاہتے کہ اس پر حکومت کرے۔

وفا ہی مجھ میں نہ تھی بے وفائی کا دعویٰ کیسا

کیا تمہیں معلوم ہے مودودی صاحب پاکستان کے خلاف تھے؟

وہ پاکستان کے نہیں پاکستان بنانے والوں کے خلاف تھے۔

یہ تو وہی بات ہوئی کہ کوئی چینی بنانے والوں کے خلاف نہ ہو مگر گنے اگانے کی مخالفت کرے۔

آخر وہ کہتے کیا تھے؟

وہ کہتے تھے کہ ان کی شکلیں تو دیکھو یہ اسلامی ریاست پاکستان بنائیں گے۔ غالباً ان کا اشارہ داڑھی سے مبرا چہروں کی جانب تھا۔

ہاں! یہی ہو سکتا ہے۔

حال ہی میں احوال نے مودودی صاحب کا داڑھی سے پاک فوٹو چھاپا ہے؟

وہ جوش کے ساتھ گزاری ہوئی رنگین راتوں کی یادگار ہوگا؟

آپ "یادوں کی بارات" کا ذکر تو نہیں کر رہے ہیں؟

جی ہاں! انہی یادوں کا، مستی راتوں کا، اور مئے ارغوانی کا رنگ لئے برساتوں کا۔

مگر جماعت والے تو اسے جھوٹ کا پلندہ قرار دیتے ہیں؟

لیکن انہوں نے اسے کبھی عدالت میں چیلنج نہیں کیا۔

حالانکہ مودودی حیات تھے۔ جب جوش نے بہک کر رازِ درونِ میخانہ کو فاش کیا تھا۔

اس کا مطلب ہے جوش بے وفا نکلے؟

جی ہاں! وہ کہتے تھے، وفا کیسی، کہاں کا عشق، جب سر پھوڑنا ٹھہرا۔

اُن پر تو دعویٰ ہونا چاہئے تھا؟

کس بات کا دعویٰ؟

وفا کے خون کا۔

خون ہی مجھ میں نہ تھا خون کا دعویٰ کیسا؟

نہیں، انہوں نے کہا ہوگا: وفا ہی مجھ میں نہ تھی بے وفائی کا دعویٰ کیسا؟

یہ بات تو درست ہے وفا انہوں نے کسی سے نہیں کی۔ امین احسن اصلاحی، کوثر نیازی، ڈاکٹر اسرار احمد اور ارشاد احمد حقانی تک اُن کی بے وفائی اور طوطا چشمی کے شاکی رہے ہیں۔

اچھا یہ بتاؤ جب وہ پاکستان بنانے والوں کے مخالف تھے تو پھر قائداعظم کے حامی کیسے بن گئے؟

اس لئے کہ قائد کے پاکستان میں انہیں پناہ ملی اور انہوں نے پینترا بھی بدل لیا۔ اب وہ کہنے لگے کہ قائداعظم پاکستان کے عملی محاذ پر کام کر رہے تھے تو وہ نظریاتی محاذ پر کام کر رہے تھے۔

یہ نظریاتی کیا تھا؟

مودودی صاحب کا نظریاتی محاذ تھا۔ قراردادِ مقاصد کو لٹکا کر پاکستان کا آئین نہ بننے دیا۔ اس مہم میں وہ ۱۹۵۶ء تک کامیاب رہے۔ تعلیمی اداروں میں اسلحہ پہنچا کر انہیں بارُود خانوں میں تبدیل کر دیا اور مذہبی جماعتوں میں نفاق پیدا کر کے ان دونوں نظریاتی محاذوں پر وہ بے حد کامیاب رہے۔ تعلیمی ادارے مکمل اسلحہ خانے بن چکے ہیں اور دینی جماعتوں کی تفریق سے نظامِ مصطفےٰ کی منزل ہنوز دُور است۔

....گر تو برا نہ مانے

محرم راز کے قلم سے

کیا وہ واقعی عورت کی حکمرانی کے خلاف تھے؟

نہیں بھائی ایسا ہوتا تو وہ صدارتی انتخاب میں محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کیوں کرتے۔

مگر اب جو اُن کی جماعت بے نظیر بھٹو کی حکومت کی مخالفت کر رہی ہے؟

دراصل مودودی صاحب کی شرعی صوابدید مصلحتوں کے دائروں میں گھومتی تھی۔ یہی وطیرہ اُن کی جماعت کا رہا ہے۔ وہ اور اُن کی جماعت ایوبی مارشل لاء کے تو خلاف تھی مگر یحییٰ خان سے اُن کی گہری چھنتی تھی۔

یحییٰ خان سے ۔۔۔! وہ تو ہر وقت گونہ بے خودی میں ڈوبے رہتے تھے؟

تو کیا ہوا! تاریخ خود کو دُہرانے میں کیا دیر لگاتی ہے۔ جوش سے یحییٰ تک ۔۔۔ حفیظ جالندھری نے بھی تو بڑھاپے میں قدم رکھنے کے باوجود کہا تھا نہیں، نہیں، ابھی نہیں، ابھی تو میں جوان ہوں!

پوائنٹ آف آرڈر

جی۔ فرمائیے مولانا صاحب!

پانچ لاکھ!

پانچ لاکھ روپے میں کیا پوائنٹ ہے؟

روپیہ ہی تو سب سے بڑا پوائنٹ ہے۔ روپے کے پوائنٹ ہی کے لئے تو میں نے سارے پوائنٹس چھوڑ دیئے۔

وہ کس طرح؟

دیرینہ رفاقت کو خیرباد کہہ دیا۔ باضابطہ مجلس عاملہ و شوریٰ کے اجلاس کو باوجود طلب کرنے کے نہیں بُلایا۔ خود متوازی اجلاس بُلا کر صدر محترم کو معزول کر دیا۔ دفتر پر قبضہ کر لیا۔ گاڑیوں پر قبضہ کر لیا۔

مولانا! آپ نے پہلے تو کبھی ایسا نہیں کیا تھا؟

پہلے میں قومی اسمبلی کا ممبر کب تھا۔ اب تو میرا استحقاق ہے۔ باہر بھی اور اندر بھی۔ چاہوں تو قومی اسمبلی میں ہنگامہ مچا دوں اور چاہوں تو اپنی ہی پارٹی کا تیا پانچا کر دوں۔

ہاں تو میرا فضول وقت برباد نہ کیجئے۔ پانچ لاکھ روپے کی بات کیجئے۔ مولانا نے کہا۔

وہ پانچ لاکھ روپے "پیپلز پروگرام" کے تھے آپ کے نہیں۔

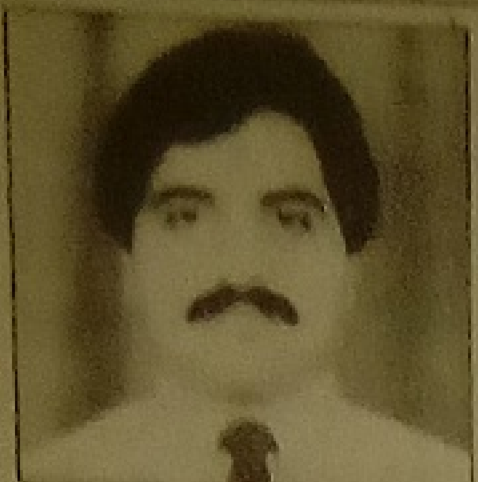
لیکن میں نے تو ترقیاتی اسکیمیں کروائی تھیں؟

مولانا! آپ نے کیسے ترقیاتی پروگرام تیار کر لیا؟ جبکہ آپ کا تعلق پیپلز پارٹی سے نہیں۔ کیا اندرونِ خانہ معاملہ کچھ اور تو نہیں۔ آپ نے کیوں عجلت کی؟

میں ممبر تھا۔ میرا بھی حق ہے کہ میرے علاقہ میں ترقیاتی کام ہوں۔ کیا آپ کو نہیں معلوم جس کی حکومت ہوتی ہے اسی کے ذریعہ کام کرایا جاتا ہے۔ آپ کس خوش فہمی میں مبتلا کرتے جا رہے ہیں۔ کیا نعمتِ غیر مترقبہ سمجھ لیا۔

بس کیا تھا۔ مولانا کو طیش آگیا۔ پھر اسمبلی میں جو تُو تکار ہوئی اس پر مولانا عبدالستار خان نیازی کو معافی مانگنی پڑی۔ ملک معراج خالد نے کہا: "مولانا آپ تو ہمیں سکھانے والے ہیں اگر آپ بھی جذبات کو قابو میں نہیں رکھیں گے تو پھر یہ نامناسب ہے"۔

پیچھے سے آواز آئی ۔۔۔ کیا مولانا موجودہ حکومت کی مخالفت اسی لئے کر رہے ہیں کہ پانچ لاکھ روپے رُک گئے۔ ورنہ مولانا عبدالستار خان نیازی کو عورتوں کی حکومت پر کوئی اعتراض نہیں۔ ماضی میں بھی تو انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح کی زبردست حمایت کی۔ آخر وہ بھی تو عورت تھیں!!



ڈاکٹر طلو صدیقی

پاکستان کی مخالف جماعتوں کی سیکولر نوازی

سید مودودی نے گاندھی جی کو پٹھان کوٹ سے مدعو کیا تھا!

گذشتہ چند ہفتوں سے سیاسی محاذ پر کچھ افراتفری کا عالم ہے، پہلے کچھ پریشانی محترمہ بینظیر بھٹو کی طرف سے تھی کہ حزب اختلاف کی طرف سے اعتماد کا ووٹ لینے کی اپیل پر وہ کس طرح کے رد عمل اور سیاسی حکمت عملی کا اظہار کریں گی خیر اب یہ بات تو پرانی ہو گئی ہے لیکن اسکے فوراً بعد ہی جمعیت علماء پاکستان میں اندرونی اختلافات کی خبریں آنے لگیں اور فروری کے مہینے میں مولانا عبدالستار خان نیازی نے مولانا شاہ احمد نورانی کی بیس سالہ رفاقت کو نہ صرف خیرباد کہہ دیا بلکہ ان کا ساتھ چھوڑتے وقت بے جے یو پی کی پیٹھ میں خنجر بھی گھونپ دیا اور جے یو پی کا الگ گروپ بنا کر کھلی بغاوت کا اعلان کر دیا اسی پراگندہ ماحول کے دوران وزیر اعظم صاحبہ نے کشمیر کانفرنس طلب کر لی اور عوام کی توجہ جے یو پی کے انتشار سے ہٹ کر اس کانفرنس پر مرکوز ہو گئی۔

کہنے کو تو یہ کانفرنس پارلیمنٹ سے باہر رہنے والے قائدین کے لئے منعقد ہوئی تھی لیکن اس میں شرکت کے لیے سیاست کے چند بڑے ناموں کو مدعو کیا گیا، ائیر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خان اور مولانا نورانی ان میں سرفہرست تھے، سردار شیر باز خان مزاری نے بھی اپنی موجودگی سے اس کانفرنس کو رونق بخشی ان چند نامور سیاستدانوں کے علاوہ غلام ساجد علی نقوی، طاہر القادری، رسول بخش پلیجو وغیرہ کو بھی مدعو کیا گیا تھا یہ کانفرنس تو خیر اپنی جگہ بہت اہم تھی لیکن جس بات کا عوام کو انتظار تھا وہ مولانا شاہ احمد نورانی اور بینظیر بھٹو کی پہلی ملاقات تھی۔ اس ملاقات کا اہتمام خود محترمہ بے نظیر بھٹو کی خواہش پر کیا گیا اور وزیر اعظم صاحبہ نے کانفرنس سے ایک دن پہلے مولانا کو بذات خود فون کر کے اپنی اقامت گاہ پر مدعو کیا چنانچہ تقریباً دس سال کے طویل عرصے کے بعد پیپلز پارٹی اور جمعیت علماء پاکستان کے سرکردہ رہنماؤں کے درمیان ملاقات ہوئی۔

اس ملاقات کی تفصیل آپ تک بذریعہ "احوال" پہنچ چکی ہے لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ نواز شریف اینڈ کمپنی کو یہ ملاقات ایک آنکھ نہ بھائی سو

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

ایسے موقعوں پر اسلام پسند تنظیموں کا یہ فرض بنتا تھا کہ وہ اپنے روٹھے ہوئے دوستوں کو منائیں اور اپنی پچھلی خطاؤں پر نادم ہوں لیکن ان میں اتنی وسعت

> جگتو فرنٹ کو کلکتہ کے
> دولتمند ہندوؤں کی آشیرباد
> حاصل تھی۔ جس میں جماعت اسلامی
> بھی شامل تھی

نظری اور قلبی بصیرت کہاں اگر کل مولانا نورانی آئی جے آئی سے مل جاتے ہیں تو پلڑہ بھاری جمعیت علماء پاکستان ہی کا رہے گا اور یہ بات جماعت اسلامی گوارا نہیں کر سکتی، چنانچہ افہام و تفہیم اور نئے سرے سے مذاکرات اور ملاقات کرنے کے جماعت اسلامی نے اپنے رسائل و جرائد کے ذریعے نہ صرف مولانا شاہ احمد نورانی کی کردار کشی کی مہم شروع کر دی ہے بلکہ اپنے گریبان میں جھانکے بغیر دوسرے کا گریبان پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

علامہ نورانی پر جہاں اور بہت سے الزامات لگتے رہتے ہیں وہاں ایک نئے تازہ اور انوکھے الزام کا اضافہ ہوا ہے اور وہ ہے سوشلزم کی حمایت کرنے کا اور سیکولر طاقتوں کو تقویت پہنچانے کا۔ آج جمالے اس کے کہ ہم ان الزامات کا جواب دیں (کیونکہ پچھلے شماروں میں آپ تفصیل سے جوابات پڑھ چکے ہونگے اور امید ہے کہ آپ کو تشفی ہو گئی ہوگی) آپ کو جمعیت علماء اسلام اور جماعت اسلامی کی سوشلسٹ نوازی کے بارے میں کچھ بتاتے ہیں میں نہ صرف عوام سے گذارش کروں گا کہ میری تحریر کو غور سے پڑھیں بلکہ میرا التماس اسلامی جمعیت طلبہ کے نوجوانوں اور جمعیت طلباء اسلام کے ہمدردوں سے بھی ہے کہ وہ اپنے اکابرین کے پچھلے کردار کو پرکھیں اور خود فیصلہ کریں کہ کیا وہ حق پر تھے؟

سب سے پہلے جماعت اسلامی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے قیام پاکستان سے پہلے "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کے عنوان سے اپنی جماعت کا تحریری موقف عوام تک پہنچایا تھا مولانا اس کتاب کے حصہ اول کے صفحہ ۴۴ پر رقم طراز ہیں (یہ کتاب ۱۹۳۷ء سے پہلے لکھی گئی تھی۔

"ہمیں اس امر کی کوشش کرنی چاہیئے کہ جمہور مسلمانوں کی قیادت کا منصب نہ انگریزوں کے غلاموں کو حاصل ہو اور نہ ہندو کے غلاموں کو بلکہ ایسی جماعت کے قبضے میں آجائے جو ہندوستان کی کامل آزادی کے لیے دوسری ہمسایہ قوموں سے اشتراک کرنے پر دل سے آمادہ ہو" (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ اول)

اب ذرا غور سے اس تحریر کا مطلب اخذ کیجئے

۱۔ انگریزوں کے غلام سے مراد، محمد علی جناح کی مسلم لیگ تھی۔

۲۔ ہندوؤں کے غلام سے مراد، جمعیت علماء ہند امدادی اور خاکسار وغیرہ تھے۔

۳۔ ہمسایہ قوموں سے اشتراک کا مطلب، کانگریس اور سکھوں سے اشتراک تھا اور ایسے نظام کی طرف نشاندہی کرتا ہے جو سیکولر طرز کا ہو۔

اگر آج بھی عوام کانگریس کا پرانا منشور اور دستور اٹھا کر دیکھے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ سوشلزم وہ بنیادی عنصر ہے جس کے اوپر کانگریس اور ہندوستان کا ڈھانچہ کھڑا کیا گیا مولانا مودودی نے اس تحریک کے ذریعے پاکستان بننے سے بہت پہلے سیکولر اور اشتراکی نظام سے تعاون کا یقین دلایا تھا اور یہی وجہ ہے کہ مسلم لیگ کے اسلامی منشور اور اسلامی دستور کو جماعت اسلامی نے ہمیشہ تنقید کا ہدف بنایا۔ سید مودودی نے گاندھی جی کو پٹھان کوٹ مدعو بھی کیا اور ان سے جلسے کی صدارت بھی کروائی لیکن کانگریس نے ایسی چھوٹی جماعت سے اشتراک کو فائدہ مند نہیں سمجھا اور بات یہیں ختم ہو گئی۔

جب پاک وطن معرض وجود میں آگیا تو یکدم جماعت اسلامی کے پیشواؤں نے اپنی پالیسی تبدیل کر لی اور مولانا مودودی پٹھان کوٹ سے اچھرہ (لاہور) تشریف لے آئے اور اب ان کی نئی پالیسی یہ تھی کہ مسلم لیگ کو ختم کیا جائے۔ اس پر ہر طرح سے حملے کئے جائیں اور اس کی قیادت میں نفاق ڈالا جائے تاکہ عوام اس جماعت سے بددل ہو جائیں اور جماعت اسلامی کے لئے اقتدار کا راستہ ہموار ہو جائے چنانچہ اس پالیسی کے تحت جماعت نے پاکستان بننے کے ۹ سال بعد تک آئین نہیں بننے دیا جب بھی بی پی (BASIC PRINCIPLE) رپورٹ پیش کی گئی [illegible]

[illegible]

جماعت اسلامی

اپنے گریبان میں جھانکے بغیر

دوسروں کا گریبان پکڑنے

کی کوشش کر رہی ہے

میں ہندو اور مسلم نشستوں کی تفریق کے خلاف تھے چنانچہ اس فرنٹ کو کلکتے کے دولت مند ہندوؤں کی آشیرباد حاصل تھی جو مسلم لیگ کو ختم کرنا چاہتے تھے اس فرنٹ کی ایک نمائندہ جماعت ہماری آج کی "اسلام پسند" جماعت اسلامی تھی۔

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ۔

[illegible]

[illegible] ۱۹۷۰ء کے انتخابات ہوئے اور جماعت اسلامی [illegible]

[illegible]

لہٰذا اگر جماعت اسلامی میں جرأت ایمانی ہے تو اس بات کا اقرار کر لیجئے کہ آپ کی منزل صرف اقتدار ہے اسلام کا آپ نے صرف لبادہ اوڑھ رکھا ہے جس دن آپ نے یہ محسوس کر لیا کہ اسلام کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے اس دن آپ ہی "مولانا ماؤزے تنگ" اور "مولانا لینن" کے روپ میں عوام کو بیوقوف بنا رہے ہوں گے لیکن حضور یہ پاکستانی قوم آپ کو اور آپ کے اکابرین کو اچھی طرح جانتی ہے لہٰذا جو کچھ بھی کرنا ہے سوچ سمجھ کر کیجئے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ سوشلسٹ بننے کے بعد بھی صرف چند سیٹیں ہاتھ آئیں یا ان سے بھی ہاتھ دھونے پڑ جائیں۔

ان سوشلسٹ نواز پالیسیوں کے علاوہ ہم جماعت اسلامی سے چند سوالات کرنا چاہیں گے

۱۔ متحدہ جمہوری محاذ (۱۹۷۰ء) کے دور میں آپ نے پیپلز پارٹی کے امیدواروں کے خلاف اپنے امیدوار کیوں نہیں کھڑے کئے اور سوشلسٹ عناصر کے لئے میدان کیوں کھلا چھوڑ دیا، اسی دوران آپ نے جے یو پی کے امیدواروں کا ساتھ دینے سے بھی انکار کر دیا جس کے سبب پی پی پی کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور اسلام پسند ووٹ بٹ گئے؟

۲۔ ۱۹۷۲ء میں آپ نے شملہ معاہدے (جو سوشلسٹ حکمرانوں کے درمیان ہوا ــ) کے دوران پیپلز پارٹی سے بھرپور تعاون کیوں کیا جبکہ آج آپ اس کے مخالف ہیں؟

۳۔ متحدہ جمہوری محاذ میں آپ نے ولی خان اور غوث بخش بزنجو کے تحت اور ان کے ساتھ کام کیسے کیا جبکہ یہ تمام افراد پکے سوشلسٹ اور سیکولر خیالات کے حامل ہیں؟

۴۔ پاکستان قومی اتحاد میں سردار شیر باز خان مزاری، نسیم ولی خان، اور اصغر خان آپ کے نزدیک سوشلسٹ تھے یا سیکولر۔ آپ نے ان سے کس شرعی اصول کے تحت اتحاد کیا؟

۵۔ مولانا مفتی محمود نے سوشلزم کے حق میں فتویٰ دیا تھا، جبکہ مولانا مودودی نے سوشلسٹ علماء (مفتی محمود وغیرہ) کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناجائز قرار دیا لیکن قومی اتحاد کے دوران آپ نے مفتی صاحب کی امامت میں کئی بار نماز پڑھی آخر کیوں؟

۶۔ قومی اتحاد کے ابتدائی اجلاس کے دوران آپ نے اصغر خان کو صدر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی آخر

کیوں ؟

یہ ہیں وہ سوالات جو جماعت اسلامی کی سوشلسٹ نواز پالیسی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ جماعت اور ان کے رسائل وجرائد کے پاس معصوم طلباء اور عوام کو بہکانے کے لیے بہت سی تاویلیں اور وضاحتیں ہوں گی لیکن کیا وہ ان سب حقائق کو جھٹلا سکتے ہیں ؟ کیا وہ نوجوان جو جماعت اسلامی اور اس کی بیشتر تنظیموں سے وابستہ ہیں اب بھی اس جماعت کے کردار کو عین اسلامی کہیں گے ؟

ائیر مارشل ریٹائرڈ اصغر خان کل تک مسلمان تھے لیکن آج سیکولر ہو گئے ہیں ان کی جماعت کل تک آپ کے ساتھ قومی اتحاد میں شامل رہی اور آپ نے صدارت کے لیے خان صاحب ہی کا نام تجویز کیا، تو اس کے پیچھے کونسی "اسلامی تحریک" موجزن تھی اصغر خان کے خلاف جماعت اسلامی نے ہمیشہ دوغلی پالیسی اپنائی ہے، ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے دوران جب جماعت اسلامی کے مولانا فتح محمد صاحب کا مقابلہ خان صاحب سے راولپنڈی کی نشست پر ہوا تو جماعت نے ایک پوسٹر شائع کیا جس میں ائیر مارشل صاحب کو قادیانی اور غیر مسلم قرار دیا گیا لیکن ٹھیک سات سال بعد ہی جماعت اصغر خان کو اپنے کندھے پر اٹھائے صدارت پیش کرتی ہے کیا قومی اتحاد میں شامل ہو کر خان صاحب مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے ؟ کیا ان کی سیکولر ذہنیت ختم ہو گئی تھی ؟ اس کا جواب جماعت اسلامی ہی دے سکتی ہے، ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ اصغر خان ایک جمہوریت پسند مسلمان اور پاکستانی ہیں اور ان کا قادیانی مذہب سے کوئی تعلق نہیں اگر ایسا ہوتا تو مولانا شاہ احمد نورانی، سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا مفتی محمود ان کا ہاتھ کبھی نہ تھامتے، دراصل جماعت اسلامی نے جب اپنا مفاد اسلام میں دیکھا تو وہ اسلامی بن گئی اور جب سوشلزم میں دیکھا تو اشتراکی بن گئی ہے۔

ایسی ضد کا کیا ٹھکانہ اپنا مذہب چھوڑ کر
میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا

اب آیئے پاکستان کی دوسری سیاسی جماعت یعنی جمعیت علماء اسلام کی طرف جے یو آئی کے اس دھڑے نے جو ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں حصہ لے رہا تھا، پاکستان کی کھل کر مخالفت کی تھی، مولانا مفتی محمود اور غلام غوث ہزاروی نے یہ فتویٰ جاری کیا تھا کہ ذوالفقار علی بھٹو تمام مذہبی عناصر سے زیادہ دیندار اور مذہب پسند ہیں اور وہ اسلامی سوشلزم کے ذریعے ملک میں خوشحالی لانا چاہتے ہیں، اس فتوے کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ مفتی محمود اور ان کی جماعت ہر اس شخص سے تعاون کرنے کے لیے تیار ہے جو اسلام اور مسلم لیگ کے خلاف ہو یہی وجہ ہے کہ مولانا مفتی محمود نے انتخابات کے بعد ولی خان کی سیکولر جماعت یعنی نیشنل عوامی پارٹی کیساتھ مضبوط اتحاد قائم کیا اور سرحد میں اپنی وزارت قائم کی اور قادر جب بھٹو کی مرکزی حکومت نے بلوچستان کی اسمبلی توڑی تو مفتی محمود اپنے سیکولر، اشتراکی اور نظریۂ پاکستان کے مخالفوں کی رسوائی کے غم میں خود بھی وزارت سے علیحدہ ہو گئے اور ذوالفقار علی بھٹو کے شدید ترین مخالف بن گئے اب کیونکہ بھٹو صاحب تو خود سوشلسٹ تھے تو مفتی صاحب نے ایک بار پھر اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا اور وہ دیگر مذہبی تنظیموں سے اشتراک پر راضی ہو گئے یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے اندرون خانہ ولی خان، مینگل اور بزنجو سے تعاون جاری رکھا۔

۱۹۷۷ء کے بعد مولانا مفتی محمود اور ان کی پارٹی نے ضیاء الحق کا کھل کر ساتھ دیا اور چور دروازے سے وزارتوں میں شمولیت بھی اختیار کی لیکن یہ زیادہ عرصے چل نہ سکی کیونکہ سرحد کے عوام کو یہ پالیسی قبول نہ تھی شاید اسی وجہ سے مفتی محمود نے ضیاء الحق کا ساتھ چھوڑ دیا لیکن جو نقصان وہ وزارتیں اور نوازشیں حاصل کر کے تحریکِ نظام مصطفےٰ کو پہنچا چکے تھے وہ ناقابل بیان ہے۔

ان تمام واقعات کے بعد افغانستان میں خانہ جنگی شروع ہو گئی، خان عبدالولی خان اور بزنجو نے روسی مداخلت کو جائز قرار دیا جبکہ تمام عالم اسلام نے اسکی شدید مخالفت کی یہ جمعیت علماء اسلام کے لئے ایک پیچیدہ مسئلہ تھا، مفتی محمود، ہزاروی اور دیگر دیوبندی علماء دل سے تو سوشلزم اور سیکولرزم کے حامی تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہ ولی خان کے ساتھ تھے لیکن جہادِ افغانستان کا ساتھ نہ دینا اپنی "ڈھکی چھپی" دینی حیثیت کو بالکل ختم کر دینے کے مترادف تھا یہی وجہ تھی کہ جے یو آئی اور ولی خان کے راستے الگ ہو گئے دونوں کے درمیان صرف ایک چیز مشترک رہ گئی اور وہ تھی اشتراکی ذہنیت ورنہ راستے دونوں کے جدا ہو گئے۔

مولانا مفتی محمود کے بعد ان کے فرزند مولانا فضل الرحمٰن سیاست کو اپنے والد کی خلافت سمجھتے ہوئے جے یو آئی کے جنرل سیکریٹری بن گئے اب ان حضرت کا دل بھی سوشلزم سے ساز باز کرنے کی طرف مائل ہوا ولی خان تو خیر روس کی حمایت کرنے کی پاداش میں دوست ہوتے ہوئے بھی دشمن بن گئے لیکن ایک پرانی سیاسی جماعت جس کے حق میں ان کے والدِ مرحوم نے فتویٰ دیا تھا اور جو آج تک علماء دیوبند کی احسانمند تھی وہ تھی پیپلز پارٹی چنانچہ بڑی شان سے ایم آر ڈی میں شمولیت اختیار کی گئی اور دوبارہ سوشلسٹ اور سیکولر افراد کا کھل کر ساتھ دیا گیا ۱۹۸۸ء کے الیکشن میں پی پی پی کے ساتھ انتخابی اشتراک کیا گیا اور اس طرح مولوی فضل الرحمٰن اور انکے سوشلسٹ نظریات ساتھی اسمبلی کے ممبر بن گئے جمعیت علماء اسلام آج بھی ہر اس اتحاد اور گروپ کا ساتھ دیگی جو اسلام اور مسلم لیگ کے خلاف ہو گا کل تک یہ نیشنل عوامی پارٹی تھی اور آج پی پی پی ہے۔

حیران کن بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی مولانا نورانی کی جمہوریت پرستی کو سیکولرزم کا نام دے رہی ہے لیکن مولانا فضل الرحمٰن اور ان کی جماعت کی کھلے عام اشتراکی اور لادینی سیاست کو عین اسلامی سمجھتی ہے اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے آپ کے درمیان ایک عظیم رشتے کی مماثلت جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام دونوں کا کعبہ "نجد" ہے اور ان کے روحانی پیشوا بھی ایک ہی ہیں یعنی عبدالوہاب نجدی یہی وجہ ہے کہ مولانا نورانی کی جمہوریت پسندی کو سیکولر نظام کی حمایت کہا جا رہا ہے اور جے یو آئی اور خود جماعت اسلامی کے پچھلے سوشلسٹ اور غیر اسلامی کردار کو اسلامی بتایا جا رہا ہے۔

ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں۔

حالات اور ماحول کا تقاضہ یہ ہے کہ نوجوان نسل کو اسلام سے متنفر ہونے سے بچایا جائے اور اسلامی جماعتوں کے مابین اشتراک اور تعاون کو یقینی بنایا جائے گو کہ مندرجہ بالا دونوں جماعتوں کا کردار غیر اسلامی اور اینٹی نظامِ مصطفےٰ رہا ہے لیکن ایسی جماعتوں کو اہلسنت سے اشتراک کرنے میں پہل کرنی ہو گی اور اپنے کردار سے ثابت کرنا ہو گا کہ وہ اسلام اور جمہوریت کی سچے دل سے شیدائی ہیں۔ انہیں کرنہ انہیں یہ رضا ان کی اپنی لوگوں کو سردار نظر آتو گئے وہم

اس جیسے کسی مذہبی عمارت تک ہی نہیں بلکہ قریب ۔ دیکھی [illegible]

[illegible]

جس کے نتیجے میں لوگ بازار [illegible] سامان خریدنے کے لئے نکلے اور وہ مسلمان جو ہندوؤں کے محلہ میں کم تعداد میں [illegible] آ گئے اور [illegible] ایک [illegible] قریب تین [illegible] اسکول میں پناہ [illegible] اب بھی کچھ لوگ ہیں۔

[illegible]

بھاگلپور میں اس قتل و غارت کے علاوہ ایک [illegible]

[illegible] شیخ [illegible] علاء الدین کو قتل کیا اور ان کا [illegible] کو زندہ آگ میں جلا دیا ۔ اتنے میں پولیس آئی [illegible] لوگ خوف زدہ ہو گئے [illegible] کچھ لوگ [illegible]

میری فیملی کے
گیارہ افراد کو قتل کر دیا گیا
جن میں میری بیوی
ماں، تین لڑکے اور بھائی شامل تھے

[illegible] میں ملازم تھے کے یہاں تبدیل کر دیا اور [illegible] پولیس کو ہندوؤں کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا اور فوج قریب ایک [illegible] پر تعینات کی جاتی ہیں [illegible] پولیس کی مدد سے گھروں میں آگ لگانے لگے ۔ اور صبح چار پانچ بجے کے قریب گھروں کو گھیر لیا جس سے چند مرد جو قریب [illegible] بچے تھے منت سماجت کرنے لگے [illegible] ہم لوگوں کے پاس [illegible] اور [illegible] ہم کہاں جائیں ۔ سبھوں نے [illegible] جانے کی خواہش ظاہر کی جس پر ان لوگوں نے ہم لوگوں کو [illegible] صاحب کے مکان سے لے کر پولیس کے ساتھ چلے جیسے ہی ہم لوگ گاؤں کے تالاب کے قریب پہنچے جہاں سے بھی ایک راستہ [illegible] طرف جاتا تھا [illegible] لوگوں کے ساتھ ساتھ [illegible] چل رہے تھے ہم سبھوں پر حملہ کر کے سب سے پہلے امام غلام رسول پر ہتھیار سے حملہ کیا جس کے نتیجے میں ان کا سر جسم سے جدا ہو گیا اور پھر ہم لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے میرا [illegible] فرید عالم [illegible] کے

بھائی [illegible] ان لوگوں نے [illegible] کے سامنے [illegible] گئے ۔ ان لوگوں نے ہم پر پتھر اور خنجر سے بھی حملہ کیا ہم بھی بھاگے [illegible] خنجر [illegible] میرے گلے [illegible] میری گردن [illegible] تالاب کی طرف [illegible] بھائی جو میرا [illegible]

[illegible] بس [illegible] کی گاڑی کی آواز سن کر میں بار بار چلا کر "بابو جی بچاؤ" "میری حفاظت کرو" اور ان لوگوں نے آواز سن کر مجھے تالاب سے [illegible] کے سہارے نکالا اور پھر مجھے میڈیکل کالج اسپتال میں بھرتی کیا پھر ۷ دسمبر کو کچھ لوگ جو میرے محلہ میں [illegible] میں پیش پیش تھے اسپتال میں آئے اور ۲۰ دسمبر کو سادے کاغذ پر مجھ سے دستخط لینا چاہتے تھے جس سے کہ میری گواہی جو چشم دید گواہ تھی ختم ہو جاتی۔ پر میرے چلانے پر وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ میرے چلانے پر ڈاکٹر [illegible] اور [illegible] آ گئے۔ میں نے دونوں کو ساری بات بتائی جس پر وہ یہ سمجھ کر کہ میری جان خطرہ میں ہے مجھے ۲۲ دسمبر کو پولیس اور [illegible] سے [illegible] لائے [illegible] ڈاکٹر [illegible] کے زیر علاج رہا اور پھر مجھے پٹنہ [illegible] ڈاکٹر [illegible] اور [illegible] کر دیا گیا ۔ اس قتل میں میری امی، چچا، چچی اور دوسرے رشتہ دار سب ہی مارے گئے اور میرا ایک بھائی [illegible] بچ گئے کیونکہ وہ [illegible] تھے۔

دسمبر میں محلہ [illegible] جو بھاگلپور سے قریب ۱۵ کیلومیٹر دکھن کی طرف ہے۔ وہاں بھی بہت ہی دردناک قتل ہوا جس میں قریب ستر مسلمان مارے گئے جو زمیندار قسم کے تھے اور ان کے مکانات، کوٹھی جس میں چاول وغیرہ تھا سب کا سب لوٹ لیا اور جانی نقصان الگ ہوا۔ اس حادثہ کو بی بی سی نے بھی رات کے خبر کے ساتھ جس میں وی پی سنگھ اور [illegible] کو دکھایا۔ بھاگلپور شہر میں ایک گھڑی کی دوکان نیشنل واچ کمپنی جس کا مالک محمد [illegible] اور محمد وحید [illegible] ہیں بالکل لٹ گئے کیونکہ میرا خیال ہے قریب دس لاکھ

باقی صفحہ ۳۳ پر

سید عبدالفہیم حسینی ۔ بھاگلپور (بہار)

بھاگلپور کے قتل عام کا آنکھوں دیکھا حال

پیش امام غلام رسول کا گلا کٹ کر جسم سے جدا ہو گیا

بھاگلپور کے فساد میں جو ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ رنگ کی بلکہ خون کی ہولی کھیلی ہے ایسا واقعہ کبھی ملک میں نہیں پیش آیا یہاں تک ۱۹۴۷ء کے زمانے میں بھی ایسی خونریزی نہیں ہوئی جبکہ ہندوستان اور پاکستان کا بٹوارہ عمل میں آیا اور اسی چیز کا واحد ذمہ دار حکومت اور کانگریس قیادت یعنی راجیو گاندھی ہے جو اس وقت پاور میں تھی اس کی مکمل رپورٹ آپ پڑھیں اور ان مسلمانوں کو جنھوں نے شہادت کا درجہ پایا اپنا خراج عقیدت پیش کریں گے۔

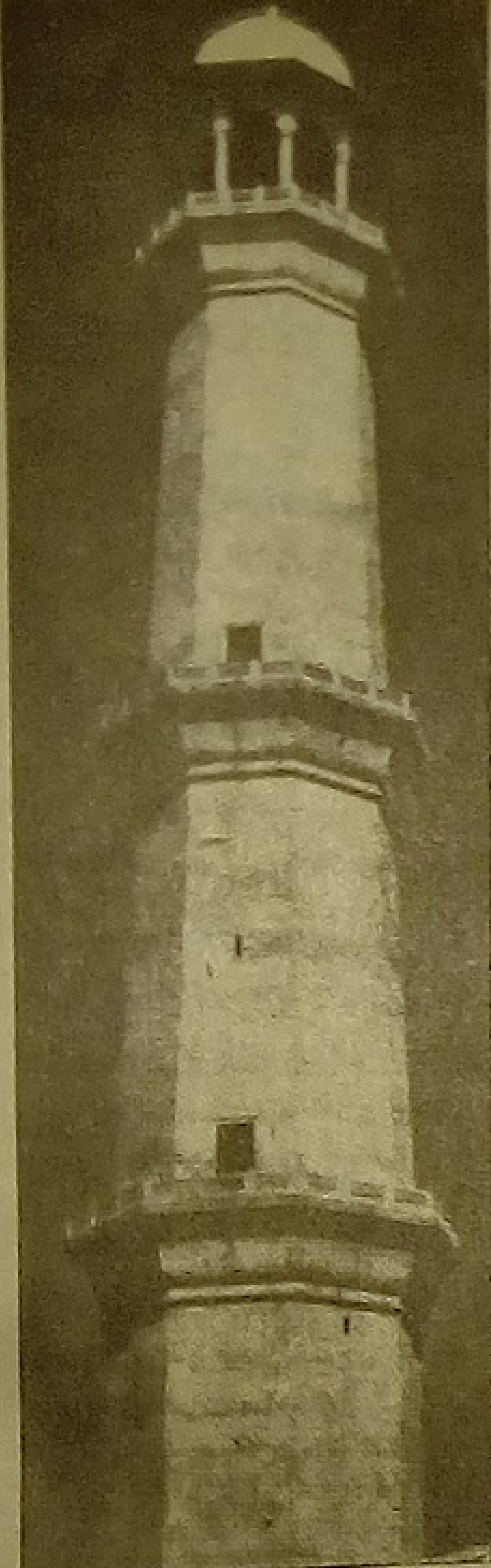
بھاگلپور کے فساد کی ابتداء سیور ریلوے اسٹیشن کے نزدیک محلہ فتح پور سے ہوئی وہاں ۳۰٪ مسلمان اور ۷۰٪ ہندو آباد ہیں۔ وہاں ایک دیہات میں [illegible] بابری کو مسمار کرکے مندر کی تعمیر میں اس اینٹ کو سنگ بنیاد کی شکل دیکر پوجا جا رہا ہے۔ جب فتح پور میں ہندوؤں نے ۲۲ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو پوجا پاٹ کرکے اس محلے کے مسلم آبادی والے مسجد کے قریب سے لے جانے کی خواہش ظاہر کی تو سیور پولیس اسٹیشن کے داروغہ [illegible] جیسا منصوبہ بنایا جائے تو فساد ہو گا جانے کی اجازت دیدی اس طرح ہندو مسلم [illegible] کا ماحول خراب ہوا جس پر ہندو مشتعل ہو گئے [illegible] اور مسلمانوں سے ملاقات ہوئی اور اس کی جگہ پر [illegible] بدل کر ہزاری باغ بھیج دیا اور وہ حکم کی تعمیل کرکے چلا گیا اس کے بعد ہندوؤں نے من مانی کی اور فساد اس طرح شروع ہوا اس کے بعد جمعہ ۲۷ اکتوبر کو شام کے وقت راجیو گاندھی [illegible] سنگھ کے ساتھ بھاگلپور آئے اور لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی پر اسی دوران کچھ مہا سبھائی ایک جلوس کی شکل میں [illegible] جہاں راجیو گاندھی عوام سے مخاطب تھے [illegible]

وہ تا چار ہو گئے کہ یہاں سے واپس کر دیا جائے اس پر راجیو گاندھی نے جلد بازی سے کام لیتے ہوئے دوبارہ کاسٹنگ روک دیا جو دوردرشن (۲۰۷) نے بھی ٹیلی ویژن میں دکھایا اس طرح دیہاتوں میں فساد نے زور پکڑا اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ راجیو گاندھی کو یہ امید تھی کہ ہندو مسلم فساد سے کانگریس جیت جائے گی اور ہم پھر دوبارہ پاور میں آجائیں گے پر اس کا نتیجہ الٹا ہوا اور مسلمانوں نے کھل کر جنتا پارٹی کو ووٹ دیا اور کانگریس کی ہار ہوئی اور راجیو گاندھی کو منہ کی کھانی پڑی۔ گرچہ بی۔ جے۔ پی۔ [illegible] صوبے کے [illegible] ۲۴ اکتوبر سے ہی بہار [illegible] تمام [illegible] تو اس کا نتیجہ یہ [illegible] کہ مسلم کا پورا تعاون جنتا کو ملا اور کانگریس کی ہار ہوئی اور یہی ہوا ۲۶-۲۷ اکتوبر جب سینٹرل ریزرو پولیس (C.R.P) اور بارڈر سکیورٹی فورس (B.S.F) نے بھاگلپور کے پولیس سے چارج لیا تو اس وقت مقامی پولیس بلوائیوں کے ساتھ لوٹ مار میں شامل تھی جو اخبارات میں بھی یہ بات آئی اور حقیقت بھی یہی ہے۔ سی۔ آر۔ پی اور بی ایس ایف کے نوجوان گشت کرکے ٹاؤن کو کنٹرول کیا

> **بلوائیوں نے**
> **بہار ملٹری پولیس**
> **کے ہمراہ اندھا دھند**
> **فائرنگ کردی**

پر دیہاتوں میں مقامی پولیس نے بڑی نازیبا حرکت کی اور مسلم جان و مال دونوں سے برباد ہوئے۔

اس سے پہلے کہ کچھ فساد کے متعلق معلوم ہو آپ سب سے پہلے بھاگلپور کے متعلق کچھ جغرافیائی معلومات بھی جان لیں۔ بھاگلپور بہار جو ہندوستان کے ۲۲ صوبوں میں ایک چھوٹا صوبہ ہے۔ بھاگلپور بہار میں کمشنری اور ڈسٹرکٹ بھی ہے۔ یہاں کی آبادی مسلم کم اور ہندو زیادہ پر مشتمل ہے۔ اس بھاگلپور میں ایک محلہ بڑہ پورہ ہے جہاں تک تقریباً ۱۵۰۰ مکانات ہیں خالص مسلم آبادی ہے اس کے علاوہ مجاہد پور تاتار پور وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ جہاں مسلمانوں کی آبادی اچھی ہے محلہ بڑہ پورہ میں ایم۔ اے۔ بی ایس ڈاکٹر، مجسٹریٹ انجینئر، پروفیسر، وکیل، ماسٹر، کلرک اور قریب ۹۰٪ لوگ پڑھے لکھے ہیں اور اس فساد میں ہندوؤں نے ہر چند کوشش کی کہ اس پر حملہ کرکے یہاں والوں کو برباد کردیں پر رب العزت کی مدد سے کسی کا بال بیکا بھی نہ ہو پایا اور چاروں اطراف کے کم تعداد محلے کے لوگوں کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا اور مغرب میں محلہ بھیکن پور گمٹی نمبر ۳ بھی بچا رہا۔ ۲۵ اکتوبر کی صبح اور ۲۶ اکتوبر کی شام کو بلوائیوں نے جو باہر سے بلوائے گئے تھے۔ محلہ بھیکن پور گمٹی نمبر ۳ پر حملہ کیا پر یہاں والوں نے بھی متحد ہو کر اس کے حملے کو پسپا کیا بعد میں ۵۰ سول لائن پر حملہ کرکے میگزین لوٹنے کا منصوبہ بنا کر کے بلوائیوں نے بی ایم پی (BIHAR MILITARY POLICE) کے جوانوں کے ہمراہ اندھا دھند فائرنگ کرنی شروع کردی جس پر محلہ والے گھبرا کر گھروں سے نکل کر اپنے بچاؤ کے لئے بھاگنے لگے جس کے نتیجہ میں قریب ۵ بے گناہ لوگوں نے گولی کی زد سے دم توڑ دیا۔ اس میں سرکاری ملازم بھی تھے لاش کے لئے مدتیں روتی رہیں پر وہ لاشیں بھی اٹھا لے گئے



مقدس مہینہ جس میں

قرآن پاک کا نزول ہوا

مفتی خالد محمود

ایک روحانی انقلاب آج سے چودہ سو سال قبل اس وقت رونما ہوا جب دنیا تاریک تھی بے قرار تھی اور اس سطح ارضی پر بسنے والے آشفتہ اور بے آب تھے اور کوئی ان کی تشنگی کو دور کر کے ان کو سیراب کرنے والا نہ تھا اور دنیا پر ضلالت و گمراہی کے چھ سو سال گزر چکے تھے کہ قضائے الٰہی کے افق میں نور و روشنی کی بدلیاں چھائیں اور آسمان کے وہ دروازے جو صدیوں سے زمین پر بند کر دیئے گئے تھے۔ یکایک کھل گئے اور عالم بالا سے فیضان الٰہی اور رحمت ایزدی کی موسلا دھار بارش شروع ہوئی تاکہ انسانیت کی سوکھی ہوئی کھیتیوں کو سرسبز و شاداب کر دے اور کائنات ارضی کی تشنگی دور کر کے سعادت ابدی سے لئے سیراب کر دے یہ انقلاب ایک مبارک رات (شب قدر) میں قرآن کریم کی نزول کی صورت میں نمودار ہوا جس نے یکلخت کائنات عالم کا نقشہ ہی بدل دیا۔ جس نے انسانیت کو اس کا بھولا ہوا درس یاد دلایا اسے اس کا گم کردہ مقام دوبارہ عطا کیا جس نے کفر و ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان و ہدایت کی روشنی میں لا کھڑا کیا تاکہ اس روشنی میں اپنے لئے صحیح شاہراہ عمل کو متعین کیا جائے جس نے بتایا کہ مختلف بے جان مورتیوں اور بے شمار بے حقیقت معبودوں کے سامنے اپنی جبین رگڑ کر اپنی قوت و طاقت کو منتشر کرنے اور اپنے شیرازے کو بکھیرنے کے بجائے ایک ذات اور ایک ہستی کو اپنی تمام عبادتوں اور کوششوں کا محور و مرکز بنایا جائے اسی کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے۔ اسی کے سامنے سر تسلیم خم ہو۔ اس قرآن کریم نے کفر کے طوق سے انسانیت کو نجات دلائی۔ انسانی غلامی اور استبداد کی زنجیروں سے انہیں رہا کیا۔

قرآن کریم کا نزول اسی ماہ مبارک میں قلب محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر اس وقت ہوا جب کہ تمام مادیات سے کنارہ کش ہو کر غار حرا میں بھوکے پیاسے اپنے خدا کے حضور سربسجود تھے پس اللہ تعالیٰ نے اس مبارک ماہ کو اس انقلاب عظیم کی یادگار قرار دیا کہ اس ماہ مبارک میں خوب قرآن کریم کی تلاوت اور اس کا دور رہتا ہے صاحب قرآن (صلے اللہ علیہ وسلم) بھوکے پیاسے تھے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی یاد میں ان کے ماننے والوں کو بھی اس ماہ مبارک میں روزہ کا حکم دیکر ان کی بھوک اور پیاس کی یادگار قائم کی وہ انسانیت کی غفلت و مدہوشی دور کرنے کے لئے رات کو اٹھ اٹھ کر جاگتے تھے پس ان کے ماننے والوں کو بھی قیام (تراویح) کا حکم دیا اور اس طرح ان کی ایک عظیم یادگار قائم کی۔

اللہ تعالیٰ کی صفت "ربوبیت" اس ماہ مقدس میں پوری طرح جلوہ افگن ہے صفت ربوبیت کا مظہر قرآن کریم ہے یہی وہ مہینہ ہے جس میں گم کردہ راہ انسانیت کو رہنمائی ملی جس کی بدولت وہ صراط مستقیم پر گامزن ہوئی قرآن کریم کی صورت میں ایک مکمل قانون حیات عطا ہوا جس کی روشنی میں زندگی نے اپنے خدوخال درست کئے اور ایک طویل تاریک رات کے بعد انسانیت کی صبح سعادت طلوع ہوئی، چمنستان انسانیت میں بہار آئی خزاں رسیدہ دل ایک بار پھر سے کھل اٹھے۔ قرآن کریم کو اس ماہ مبارک کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے اور جو مقصد روزہ کا ہے وہی قرآن کریم کا بھی ہے۔ اسی لئے اس ماہ مبارک میں قرآن کے زمزمے ہر گھر میں بلند

قرآن کریم نور ھدایت ھے جس نے دنیا میں ایک انقلاب پیدا کیا

ہوتے ہیں۔ صاحب معارف القرآن سے معمور ہوتی ہیں۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مہینے میں
قرآن کی تلاوت باقی مہینوں کی نسبت زیادہ فرماتے
تھے بلکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ دور
فرماتے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: قرآن
کریم کا دور آپ میں نفس زیادہ تر جود و سخا اور عمل کا
سبب بنتا ہے اس کے علاوہ
رمضان المبارک کا مہینہ الشغل بخیر سجانی کا زمانہ ہے
اس ماہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اپنے بندوں پر بہت زیادہ
ہوتی ہیں۔ (فتح الباری)

رمضان المبارک اور قرآن کا آپس میں جو تعلق ہے
اس کو بیان کرتے ہوئے امام رازی لکھتے ہیں: اللہ
تعالیٰ نے اس مہینہ کو ایک خاص شرف سے نوازا ہے
اور اس کی حیثیت کو پوری طرح ظاہر فرمایا ہے جس طرح
کہ اس میں قرآن کریم نازل فرمایا، اس لئے بندوں کو حکم
دیا کہ وہ اس مہینہ میں روزے رکھیں۔ (تفسیر کبیر)
حضرت مجدد الف ثانی اپنے ایک مکتوب میں تحریر
فرماتے ہیں: اس مہینہ کو قرآن کریم کے ساتھ خاص
مناسبت ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے قرآن کریم
اسی ماہ میں نازل کیا گیا۔ یہ مہینہ ہر قسم کی خیر و برکت
کا جامع ہے۔ انسان کو سال بھر میں مجموعی طور پر جتنی
برکتیں حاصل ہوتی ہیں وہ اس مہینہ کے سامنے اس
طرح ہیں جس طرح سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ۔
اس مہینہ میں دل جمعی کا حصول پورے سال دل جمعی کے
حصول کے لئے کافی ہے اور اس میں انتشار اور
پریشانی بقیہ تمام دنوں بلکہ پورے سال کو اپنی لپیٹ
میں لے لیتی ہے۔ مبارکباد ہیں وہ لوگ جن سے
یہ مہینہ راضی ہو گیا اور ناکام و بدنصیب ہیں وہ
لوگ جو اس کو ناراض کر کے ہر قسم کی خیر و برکت سے
محروم ہو گئے۔ (مکتوبات امام ربانی)

اسی ماہ مبارک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن
کریم کی صورت میں ابر رحمت برسا اور ہدایت کے
لئے تڑپنے والے تشنہ روحوں کو سیراب کر گیا۔ برکات
کا ظہور ہوا اور انسان کو وہ سعادت عطا ہوئی
جو اس سے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ خزائن الٰہیہ کا فیضان عام
ہوا اور ہر ایک نے اپنا دامن بھرا۔ نزول قرآن سے
تاریخ عالم کے صفحات الٹ گئے۔ کفر و ظلمات کی
اندھیری رات ختم ہوئی اور اس آفتاب ہدایت کے طلوع
ہوتے ہی وہ تمام تاریکیاں اور ظلمتیں نابود ہو گئیں
جنہوں نے دنیا کو سعادت سے محروم کر رکھا تھا۔

قرآن کا تعارف قرآن سے

قرآن نے مختلف جگہوں پر مختلف الفاظ میں اپنا
تعارف خود کرایا اس سے قرآن کی مختلف خصوصیات
اور حیثیتوں پر روشنی پڑتی ہے اور قرآن کی عظمت
دامن کے بہت سے گوشے اجاگر نظروں کے سامنے
آجاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں چند آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔

قرآن قطعی علم

قرآن کا سب سے بڑا معجزہ اور خصوصیت اس کا
قطعی اور غیر مشتبہ ہونا ہے خود قرآن اپنے بارے میں
کہتا ہے۔
"یہ کتاب ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں"
(البقرہ - رکوع ۱)



دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔
"یہ احکام مفردہ کی تفصیل بیان کرنے والی ہے اس
میں کوئی شک نہیں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف
سے ہے۔" (سورہ یونس رکوع ۴)
"اور یہ بڑی باعظمت کتاب ہے جس میں غیر واقعی
بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آ سکتی ہے اور نہ اس
کے پیچھے کی طرف سے یہ خدائے حکیم و حمید کی طرف سے
نازل کی گئی ہے۔" (سورہ حم السجدہ رکوع ۵)
کیونکہ یہ کتاب خدا کے علم سے ماخوذ ہے اور یہ
کتاب علم خداوندی کی خصوصیات کی مظہر ہے اور علم
خداوندی ہر قسم کے عیب و نقصان، شک و اشتباہ،
ظن و تخمین، تعارض و اختلاف سے پاک ہے تو جس
کتاب کا سرچشمہ یہ ہو اور جو والہی یقینی اور قطعی
ہو تو اس سے ماخوذ کتاب کا بھی یہی حال ہوگا اور جس طرح
اس کا منبع اور سرچشمہ قطعی اور محفوظ ہے اسی طرح سے
اس سے جاری ہونے والی چیز اپنے منتہیٰ تک پہنچنے میں
بھی محفوظ ہے کیونکہ خود قرآن کریم نے ہی بتا دیا کہ یہ
کتاب کس منبع سے حاصل کی گئی اور کن ذرائع سے پہنچائی
گئی ہے وہ بھی معلوم اور معتمد ہیں اور جہاں پہنچائی گئی اس
کی بھی تفصیلات خود بیان کر دی ہیں۔

قرآن محکم اور مفصل ہے

اور یہ قرآن کریم جو دین کے اصول و کلیات پر
مشتمل ہے جس میں دنیاوی اور اخروی فلاح مضمر ہے وہ
نہایت واضح اور غیر مبہم ہے ورنہ تو اس سے اپنی
نجات کا سامان کرنا ہی مشکل ہو جائے گا۔ ارشاد خداوندی
ہے "کیا میں خدا کے سوا کوئی دوسرا منصف ڈھونڈوں
حالانکہ وہی ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جو تفصیل کے
بیان کرنے والی ہے۔" (سورہ انعام رکوع ۱۴)
"اور ہم نے ان کے پاس پہنچا دی ہے جس کو علم و
دانش کے ساتھ کھول کھول کر بیان کر دیا ہے اور وہ مومن
لوگوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔" (سورہ اعراف رکوع ۶)
"یہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم کی گئیں ہیں پھر
خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے اس کی تفصیلات بیان
کر دی گئی ہیں۔" (سورہ ہود رکوع ۱)

قرآن فرقان ہے

قرآن "فرقان" ہے یعنی قرآن نے حق و باطل میں تمیز
کفر و اسلام اور جاہلیت، خدا کی رضا و عدم رضا، یقین و
ظن، حلال و حرام میں قیامت تک جو امتیاز پیدا کر دیا ہے
اس کی نظیر کسی مذہبی تعلیم اور کسی کتاب میں نہیں ملتی اور
یہ صفت ایسی امتیازی صفت ہے کہ یہ قرآن کے
قائم مقام بن گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے "بڑی عالی
شان ذات ہے جس نے یہ فرقان (فیصلہ کی کتاب)
اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے
ڈرانے والا ہو۔" (سورۃ الفرقان رکوع ۱)

قرآن کتب سابقہ کا مصدق ہے

قرآن کی ایک صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ کتب سابقہ
کا مصدق بھی ہے کیونکہ دین کے اصول و کلیات تمام کتب
سماویہ میں متفق اور مشترک ہیں تو بس اب کتب
سابقہ کی اصلی تعلیمات کی صحت و ثبوت کے لئے قرآن
کی حیثیت سند اور معیار کی ہے۔ ان کتابوں کا جو حصہ
قرآن کے مطابق ہے وہ صحیح اور محفوظ ہے اور جو اس
سے متعارض اور مختلف ہے۔ وہ محرف اور غیر محفوظ
ہے ارشاد خداوندی ہے "اور ہم نے تمہاری طرف سچائی
کے ساتھ کتاب بھیجی جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے
والی ہے جو پہلے سے موجود ہیں اور ان پر نگہبان ہے۔"
(سورۃ المائدہ رکوع ۷)

قرآن نور ہدایت ہے

قرآن سراپا نور ہے، یہ سلامتی کے راستوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور تاریکیوں سے روشنیوں کی طرف لاتا ہے۔ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس روشنی آچکی اور ایسی کتاب آچکی جو روشن ہے۔ خدا اس کتاب کے ذریعہ ان لوگوں پر جو خدا کی خوشنودی کے تابع ہوں سلامتی کے راستے کھول دیتا ہے اور اپنے حکم سے انہیں تاریکیوں سے نکالتا ہے۔ روشنی میں لاتا ہے اور سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے (سورۃ المائدہ رکوع ۳)

"یہ ایک کتاب ہے اس کو ہم نے تم پر اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ یعنی ان کے پروردگار کے حکم غالب اور قابل تعریف خدا کے راستے کی طرف" (سورۃ ابراہیم رکوع ۱)

"وہ ایسا ہے کہ اپنے بندہ پر صاف صاف آیتیں بھیجتا ہے تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لائے اور بے شک اللہ تمہارے حال پر بڑا شفیق اور بہت مہربان ہے۔"

قرآن کریم سلامتی کے راستوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور کفر و شرک، ظلم و ستم کی اندھیریوں سے نکال کر ایمان و ہدایت اور عدل و انصاف کی روشنیوں کی طرف لے آتا ہے۔ اگر وحی کی روشنی نہ ہو تو زندگی میں ظلمتیں ہی ظلمتیں ہیں اور ہر موڑ پر اندھیرا ہی اندھیرا چھا جاتا ہے۔ ایک تاریکی چھائی ہوتی ہے ان تاریکیوں میں روشنی کا مینار صرف اور صرف خدا کا نور ہے جس سے تمام کائنات روشن ہے اسی کو قرآن کریم نے جگہ جگہ بیان کیا ہے کہ وہ ظلمت و تاریکی سے روشنی کی طرف لاتا ہے جو لوگ قرآن کی روشن تعلیمات کو اپنا لیتے ہیں ان کو ایک نئی زندگی مل جاتی ہے۔ ان کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں اور ان کو دارالسلام کی تمام راہیں صاف صاف نظر آتی ہیں اور ان کا ہر قدم خدائی روشنی میں اٹھتا ہے اور جب تک وہ اس سے رہنمائی حاصل کرتے رہتے ہیں ان سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی اور یہ روشنی صرف آخرت کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ دنیاوی معاملات میں بھی ان سے ان کو ایک بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اور پھر وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات وحی الٰہی کی روشنی میں طے کرتے ہیں اسی طرح ان کا یہ طریقہ زندگی دوسرے تمام

> اس ماہ مبارک
> میں اللہ کی طرف سے
> قرآن کی صورت میں
> ابر رحمت برسا اور
> تشنہ لبوں کو سیراب کر گیا

لوگوں کے طریقے سے ممتاز ہوتا ہے اور اس کی وجہ صرف اور صرف وحی الٰہی ہوتی ہے۔ اسی بناء پر قرآن کریم کو ہدایت، موعظہ، شفاء، نور وغیرہ کہا گیا ہے۔

قرآن کریم زندگی و اس کے تمام شعبوں میں جو ہموار اور مستقیم راہ اور تمام بے اعتدالیوں سے پاک اور بے خطر راہیں کھولتا ہے ان کے لئے وہ "سبل السلام" کی تعبیر اختیار کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے لئے اس سے بہتر تعبیر اور کوئی ہو بھی نہیں سکتی اور انہی کی طرف پیغمبر اشارہ کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں

"اور بے شک یہ میری راہ سیدھی ہے سو اسی پر چلو اور نہ چلو دوسرے راستوں پر کہ وہ تم کو اللہ کے راستے سے تتر بتر کر دیں۔" (سورۃ الانعام، رکوع ۱۹)

قرآن کی بلاغت ملاحظہ کیجئے کہ قرآن نے ہر جگہ ان آیات میں نور کو واحد اور ظلمات کو جمع کے لفظ سے ذکر کیا ہے اس لئے کہ وحی کی روشنی اگر نہ ہو تو پھر زندگی کی ظلمتوں کی کوئی انتہا نہیں اگر مذہب اور وحی قرآن پاک کی روشنی کو علیحدہ کر دیا جائے تو ظلمت ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ پس جو لوگ قرآن اور پیغمبر کی مشعل افروزی سے تاریکیوں کی اس دنیا اور گمراہیوں کی بھول بھلیوں سے نکل کر روشنی میں آجاتے ہیں ان کو از سر نو زندگی ملتی ہے وہ محسوس کرتے ہیں کہ انہیں آنکھیں مل گئیں۔ اس کے بعد ان کے لئے تمام راہیں روشن ہو جاتی ہیں اور زندگی کے سفر میں ان کا ہر قدم خدائی روشنی کی طرف اٹھتا ہے۔ اور جب تک وہ خدا کی اس رہنمائی میں رہتے ہیں ان سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی ہے۔ قرآن کا ایک اعجاز یہ ہے کہ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں مختلف خیال و نظائر کے لوگ اور مختلف اخلاق و اعمال رکھنے والے ہر ایک اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں اور پہچاننے لئے راہ عمل متعین کر سکتے ہیں خود اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے

"ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی جس میں تمہارا تذکرہ ہے کیا تم نہیں سمجھتے"

(سورۃ الانبیاء رکوع ۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم نور ہدایت ہے جس نے روحانی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کیا اور ظلمات و تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لایا جو بھی اس کے دامن سے وابستہ ہوا وہ زندگی کے سفر میں کامیابی کی طرف قدم بڑھاتا رہا اور یہ کتاب صرف ایک قوم، ایک خطہ یا ایک قبیلہ کے لئے نہیں بلکہ یہ ہر زمانہ کے لوگ ہر مکان کے لوگ اور ہر قسم کے لوگوں کے لئے رشد و ہدایت کا آفتاب ہے جس کی روشنی میں ہر شخص اپنے لئے راہ عمل متعین کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ کور چشم نہ ہو۔

رمضان المبارک نزول قرآن کریم کی یادگار ہے اس دنیا میں اینٹ گارے، پتھروں اور کاغذوں، فانی اور ختم ہو جانے والی رسومات کی یادگاریں فنا ہو جاتی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی یادگاریں دنیاوی یادگاروں سے یکسر مختلف ہیں۔ اللہ کی قائم کردہ یادگاریں دائمی ہوتی ہیں۔ ان یادگاروں سے روح انسانیت کو جلا ملتی ہے اور دل و دماغ نور ہدایت سے منور ہوتے ہیں۔ جس طرح حج اسوۂ ابراہیمی کی یادگار ہے اسی طرح رمضان المبارک نزول قرآن کی یادگار ہے۔ کتنے بندگان خدا ایسے ہیں جو اس ماہ مقدس کے آتے ہی اپنی زندگیاں بدل دیتے ہیں۔ اور سراپا تسلیم و انقیاد بن جاتے ہیں۔

قرآن کریم کی یاد منانے کا طریقہ یہ نہیں کہ چراغاں کیا جائے، عمارتوں اور مساجد کو رنگارنگ قمقموں سے جگمگا دیا جائے، شامیانے لگائے جائیں اسٹیج سجائے جائیں، چند جگہوں پر سرکاری سطح پر جشنوں کا اہتمام کر لیا جائے اور ان جشنوں میں تلاوت قرآن کریم کے تمام اصول و آداب کی خلاف ورزی کی جائے اور پھر ٹی وی پر ان کی نمائش کر دی جائے، قرآن کریم کا نزول تو اس لئے ہوا تھا کہ نفوس کی اصلاح کی جائے، اس کو زندگی کا دستور العمل بنایا جائے اس پر عمل پیرا ہو کر انسان با اخلاق و با کردار انسان بن جائے۔ درندوں کی صف سے نکل کر فرشتہ خصلت بن جائے۔ اپنے قلب کا تزکیہ کرے، اپنے اندر اخلاص

باقی صہ ۵۰ پر

کیا مسلمان بھارت میں

ہندو بن کر رہیں گے ___ ؟

زیر نظر انٹرویو بھارت کی فرقہ پرست انتہا پسند تنظیم راشٹریہ سیوک سنگھ (آر۔ ایس۔ ایس) کے سربراہ بالا صاحب دیو داس کا ہے جو بھارتیہ جنتا پارٹی کو ذہنی غذا مہیا کرتے ہیں بھارت میں مذکورہ سیاسی پارٹی کی بڑھتی ہوئی عوامی مقبولیت وہاں بڑھتے ہوئے مذہبی تعصب کی نشاندہی کرتی ہے جو اس قسم کی انتہا پسند تنظیموں کی شب و روز کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہ انٹرویو جہاں فرقہ پرست ہندوؤں کا اصل چہرہ دکھاتا ہے وہاں دو قومی نظریہ کی صداقت پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اس انٹرویو کے اہم اقتباس قارئین احوال کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔

مقبول دھلوی

بھارت کی انتہا پسند ہندو تنظیم راشٹریہ سیوک سنگھ (آر ایس ایس) کے سربراہ بالا صاحب دیو داس نے ایک بیان میں نہایت واضح الفاظ میں کہا ہے کہ ایودھیا کی بابری مسجد کو مسلمانوں سے آزاد کرانے اور اسے دوبارہ رام جنم بھومی میں تبدیل کئے جانے کے بعد اب آر ایس ایس کرشن جنم بھومی (متھرا کی جامع مسجد) اور وشوا ناتھ مندر (بنارس کی جامع مسجد) کو بھی ہندوؤں کے حوالے کر دینے کا مطالبہ کرے گی۔ آر ایس ایس کے سربراہ بالا جی نے بھارتی اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہندوؤں کو لازمی طور پر رام جنم بھومی کے بعد کرشن جنم بھومی (متھرا کی جامع مسجد) بھی واپس مل جانی چاہئے یہ تینوں جگہیں ان ہزاروں عبادت گاہوں میں شامل ہیں جنہیں غاصب مسلمان بادشاہوں نے مسجدوں میں تبدیل کر دیا تھا دیو داس جی نے کہا کہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی شواہد موجود ہیں کہ مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر کے ہندوستان پہنچنے سے قبل بھی اس جگہ مندر تھا جہاں اس وقت بابری مسجد بنائی جاتی ہے ایک سوال کے جواب میں بالا صاحب نے کہا "مسلمانوں کی مذہبی کتاب قرآن (پاک) میں یہ واضح ہدایت موجود ہے کہ کسی دوسرے فرقے کی عبادت گاہوں کی جگہ مسجد تعمیر نہ کی جائے" روشن خیال مسلمان اس ہدایت اور فرمان پر عمل بھی کرتے ہیں اور انہیں اس بات سے اتفاق بھی ہے مگر مسلم فرقے کی اکثریت مذہبی جنونیوں کے زیر اثر ہے قدامت پسند مسلمانوں پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا اس لئے ہم اپنا عمل اور مشن جاری رکھیں گے۔

بالا صاحب نے مقبوضہ کشمیر کے بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں کہا، کشمیر کے عوام کو باشعور بنانے کی ضرورت ہے اس کے لئے لازم ہے کہ دفعہ ۳۷۰ کو فوری طور پر منسوخ کر دیا جائے اور کشمیریوں کو بتایا جائے کہ مقبوضہ کشمیر ہمیشہ سے بھارت کا حصہ رہا ہے انہوں نے کہا کہ بھارت سیکولر نہیں ایک ہندو اسٹیٹ ہے اسے صرف ہندو، ہندی اور ہندوستان کے نعرے کے ذریعہ متحد رکھا جا سکتا ہے۔

سوال: ہندوستان کو ایک ہندو مملکت بنانے کے مقصد کے تحت آج سے تقریباً ۶۳ سال قبل آپ کی اس تنظیم آر ایس ایس کا قیام عمل میں لایا گیا تھا یہ بتائیں اب تک آپ اس مقصد میں کس حد تک کامیاب ہو سکے ہیں؟

جواب: میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ یہ مقصد ہم نے حاصل کر لیا ہے لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا نقطہ نظر بہت زیادہ مقبول ہوا ہے بھارت کے ہندوؤں نے اس بات کو بہت پسند کیا ہے کہ ہندوستان کو "ہندو اسٹیٹ" ہونا چاہئے۔ اس ملک میں ہمارے لاکھوں بلکہ کروڑوں ہمدرد ہیں دوسرے لوگ بھی ہمارا یہ نظریہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس ملک کی غالب اکثریت ہندوؤں پر مشتمل ہے اسے ہندو مملکت ہی ہونا چاہئے اس کے لئے تھوڑی جدوجہد کی ضرورت ہے جس روز اس ملک کے سارے ہندو متحد اور منظم ہو جائیں گے اسی روز ہم اپنے مقصد میں کامیاب و کامران ہو جائیں گے۔

سوال: آپ ہندو قوم کسے کہتے ہیں ہندوستان میں رہنے والے مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو آپ ہندو کہتے ہیں کیوں؟ آپ اپنے آپ کو پہلے ہندو سمجھتے ہیں یا ہندوستانی؟

جواب: جو شخص بھی ہندوستان میں رہتا ہے میں اسے ہندو ہی سمجھتا ہوں خواہ وہ کسی مذہب، فرقے، ذات یا مسلک سے تعلق رکھتا ہو میں ہندو اور ہندوستانی میں ذاتی طور پر کوئی فرق محسوس نہیں کرتا اصل میں جب ہم لفظ "ہندو" استعمال کرتے ہیں لفظ ہندو کسی مذہب کو ظاہر نہیں کرتا یہ مسلمان ہیں جنہوں نے یہاں کے رہنے والوں کو ہندو کہہ کر اپنے آپ کو علیحدہ کیا ہے ہمارا نظریہ یہ ہے کہ بھارت میں رہنے والے تمام لوگ خواہ وہ عیسائی ہوں، مسلم ہوں، سکھ ہوں، پارسی ہوں، آریہ سماجی ویدک ہوں سب ہندو ہیں۔ بدقسمتی سے مسلمان اور عیسائی ہمارے اس موقف کو تسلیم نہیں کرتے اس لئے ہم ابھی متحد اور طاقتور نہیں ہیں۔ جس روز ہم متحد منظم اور طاقتور ہو جائیں گے تو بھارت میں رہنے والے تمام عیسائی اور مسلمان بھی اپنے آپ کو فخر کے ساتھ "ہندو" کہنا شروع کر دیں گے بھارت کے ایک سابق مسلمان چیف جسٹس محمد علی کریم چھاگلہ نے اپنی کتاب "دسمبر میں گلاب" میں یہ بات واضح طور پر لکھی ہے کہ "وہ تمام مسلمان جو ہندوستان میں رہتے ہیں ہندو ہیں" سبھی دوسرے مسلمانوں اور عیسائیوں کا یہی انداز فکر ہونا چاہئے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہو گا جب بھارت کے تمام ہندو مستحکم اور طاقتور ہوں گے۔

سوال: لیکن آپ کو مذہب اور قومیت کے درمیان فرق قائم رکھنا ہو گا۔

جواب: ہمارے نزدیک ہندو ایک قومی اصطلاح

> وہ تمام مسلمان جو ہندوستان میں رہتے ہیں ہندو ہیں
> (دیو داس)

ہیں اس لفظ کو مذہب کے مفہوم میں نہیں استعمال کرتے

سوال: لیکن الاپلی ہندو مذہب بھی تو ہے آپ اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ یہ ایک مذہب ہے۔

جواب: جی نہیں ہندو کوئی مذہب نہیں ہے مسلمان میں آباد شخص کے لئے جو بھارت والوں کو ہندو کہلاتے ہیں اصل میں ہم ویدک دھرم کے پیروکار ہیں۔ بھارت میں سکھ دھرم، بدھ دھرم، ویدک دھرم، مسلم دھرم، عیسائی دھرم پارسی دھرم کے ماننے والے رہتے ہیں۔ ہندو کوئی دھرم نہیں ہے بھارت کی دوسری قوموں میں تشخص پیدا کرنے کے لئے ہندو اور مسلم کہا جانے لگا ورنہ حقیقت میں ہندو دھرم نہیں ہے۔

سوال: لیکن آپ کا یہ فلسفہ کوئی تسلیم نہیں کرے گا خاص طور پر مسلمان، عیسائی، سکھ کبھی اپنے آپ کو ہندو تسلیم نہیں کریں گے؟

جواب: آپ پریشان نہ ہوں وقت گزرنے پر وہ ہمارے فلسفہ کو از خود قبول کر لیں گے بس اس کے لئے ہندوؤں کو پہلے اپنے آپ کو منظم متحد اور طاقتور بنانا ہوگا۔ جب بھارت کے ساٹھ کروڑ ہندوؤں کی ایک آواز ہو گی تو ہمارے مسلمان تو کیا پوری دنیا کو ہماری بات ماننا پڑے گی ہماری بات سننا پڑے گی۔

سوال: لیکن اس طرح تو آپ ایک مسلمان کا تشخص ختم کر دیں گے۔

جواب: جی نہیں ہماری امت بھارت کے مسلمانوں کا تشخص ہرگز ختم نہیں ہوگا مسلمان ہندو حسب معمول اپنی مسجد میں جا کر عبادت کرے گا سکھ ہندو گوردوارے میں جا کر پوجا دھرم ادا کرتا رہے گا عیسائی ہندو گرجے میں جا کر یسوع مسیح کے سامنے عقیدت سے سر جھکائے گا۔

سوال: ہمارا خیال ہے کہ بھارت کے مسلمان آپ کا یہ فلسفہ قبول نہیں کریں گے کوئی انہیں ہندو کہے یا وہ اپنے آپ کو ہندوستانی تو کہہ سکتے ہیں لیکن ہندو ہرگز کہلانا پسند نہیں کریں گے!

جواب: مسلمانوں نے بھارت میں رہنا ہے تو یہاں کی اکثریت کا یہ مطالبہ بھی تسلیم کرنا ہوگا میں سمجھتا ہوں ہندو کہنے میں کوئی قباحت نہیں ہے ہندوستانی بھی تو لفظ ہند سے ہی نکلا ہے ہندوستان یعنی بھارت کا مطلب ہی ہندو ہے ہم ہندوستان کو بھارت کہہ کر پکارتے ہیں یوں ہی اس لئے کہ [illegible] ایک زمانہ میں ہندوستان کا نام [illegible] تھا جب ہم نے [illegible] کے لئے [illegible] "ہندو" کہنا ہوگا [illegible]

سوال: قدیم روایات کو تسلیم کرنا اچھی بات ہے لیکن قدیم روایات کو قبول کرنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ آپ بھارت کے ہندو، مسلم ثقافت، مغلیہ ثقافت اور ان تمام اقدار کو تسلیم کریں جنہوں نے آج کے ہندوستان کی تشکیل کی ہے اس لئے آپ ہندو قومیت پر زور دینے کی بجائے ہندوستانی قومیت پر زور دیں گے تو زیادہ بہتر ہے۔

جواب: نہیں اس طرح تو ملک مزید حصوں میں تقسیم ہو جائے گا پہلے ہی بھارت ماتا دو حصوں میں بٹ چکی ہے اب اسے متحد اور مضبوط رکھنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اسے سب قوموں کا ملک سمجھنے کی بجائے صرف اور صرف ہندوؤں کا ملک سمجھنا چاہیے اگر آج ہم سرکاری طور پر یہ اعلان کر دیں گے اس ملک میں رہنے والے سب "ہندو" ہیں تو تمام اختلافات ختم ہو جائیں گے کوئی اپنے لئے علیحدہ اسٹیشن نہیں مانگے گا چھوت چھات، چھوٹا بڑا، امیر غریب، سکھ، مسلمان، عیسائی، پارسی، ویدک شودر سب باتیں ختم ہو جائیں گی بھارت میں "ہندو" کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آئے گی سب اپنے آپ کو فخر سے ہندو کہیں گے سب کی زبان ہندی ہو گی سب اپنے آپ کو ہند کا باشندہ سمجھیں گے! یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے اسے جتنی جلدی قبول کر لیا جائے بہتر ہے۔

سوال: جب آپ بھارت کو ایک ہندو مملکت بنا لیں گے تو یہاں دوسرے مذاہب کا کیا مقام ہوگا؟

جواب: مسلمان اس ملک میں ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ سے رہتے آ رہے ہیں ان کے خلاف کوئی امتیاز نہیں برتا گیا عیسائی یہاں گزشتہ کئی برسوں سے ہیں بھارت میں رہنے والے ہندوؤں کا مزاج ایسا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں یا عیسائیوں کے خلاف کوئی امتیاز نہیں برتا ہم نے سب کو ایک نگاہ سے دیکھا ہے مسلم لیڈر یہ کیوں محسوس نہیں کرتے کہ بنیادی طور پر وہ ہندو رہے ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد ہندو ہی تھے جب غیر ملکی مسلمان حملہ آور بھارت آئے تو ان کے خوف سے ان کے اثر سے یا لالچ سے کچھ ہندو مسلمان ہو گئے اسی طرح انگریز عیسائی بھارت میں آئے تو ان سے ہندوؤں نے اپنا مذہب چھوڑ کر عیسائیت میں پناہ ڈھونڈی اور بھارت کے مسلمان [illegible] یہاں عیسائی [illegible] سب ہندو [illegible] سب [illegible] کے اثرات ہندو تھے جنہوں نے مذہب بدل کر کچھ ہندو مسلمان ہو گئے اور کچھ عیسائی حقیقت یہ ہے کہ اس ملک میں ۸۰ کروڑ لوگ رہتے ہیں جن میں ۶۰ کروڑ ہندو ہیں وہ کل آبادی کا اسی فیصد ہیں جب تک یہ ۸۰ فیصد ہندو منظم نہ ہوں گے کافی طاقتور نہ ہوں گے چھوت چھات اور ذات پات وغیرہ ترک نہ کریں گے اس وقت تک بھارت نہ مستحکم ہو گا اور نہ مضبوط ہو گا آپ مسلمانوں اور عیسائیوں کی بات کرتے ہیں کہ جب تک یہ خوشحال نہ ہوں گے ملک ہرگز مضبوط اور خوشحال نہیں ہوگا میں کہتا ہوں کہ جب تک بھارت میں آباد ہندو کمزور رہیں گے بھارت کبھی مضبوط اور خوشحال نہیں ہوگا۔

سوال: گزشتہ کئی برسوں سے بھارت میں مستقل طور پر مسلم کش فسادات ہو رہے ہیں اور اس کی وجوہ کیا ہیں؟

جواب: ہندو ہمیشہ اہنسا کے پجاری رہے ہیں ان کا مزاج ایسا ہے کہ وہ کبھی فرقہ پرست نہیں ہوئے یہ سب فسادات مسلمانوں کی وجہ سے ہوئے ہیں اگر آپ کمیشنوں کی تفصیلی رپورٹیں پڑھیں تو آپ کو یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی کہ پچھلے دنوں پونا میں جو فرقہ وارانہ فساد ہوا وہ بھی مسلمانوں نے شروع کیا تھا۔ انہوں نے ہندو جلوس پر گنپتی کی مورتی پر کوڑا پھینکا نتیجے کے طور پر ہندو اشتعال میں آ گئے۔

سوال: آپ کے خیال میں فرقہ وارانہ کشیدگی پر کیسے قابو حاصل کیا جا سکتا ہے؟

جواب: ہماری تنظیم آر ایس ایس نے کبھی کسی فساد میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی کبھی کسی فساد کی ترغیب دی ہے۔

سوال: آپ آج کے دور میں کس کو ہندوؤں کا حقیقی نمائندہ سمجھتے ہیں؟

جواب: کوئی فرد ہمارا نمائندہ نہیں ہے یہ ہندوؤں کی خصوصیت ہے عیسائیوں کے نمائندے حضرت عیسیٰ اور بائبل ان کی مذہبی کتاب ہے مسلمانوں کی مذہبی کتاب قرآن مجید ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صاحب ان کے نمائندہ پیغمبر ہیں اس کے برعکس ہندوؤں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا نہ تو کوئی نمائندہ راہنما ہے اور نہ کوئی مذہبی کتاب ہے یہی وجہ ہے کہ ہندو اتنا وسیع النظر ہے ورنہ ہم بھی دوسروں کی طرح تنگ نظر ہوتے ہم بھی دوسروں کا مذہب تبدیل کرا کے ان کو اپنے مذہب میں داخل کرتے لیکن ہم ایسا نہیں کرتے ہم نے سکھوں سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ اس حقیقت کو جتنی جلدی تسلیم کر لیں کہ وہ ہندوؤں سے علیحدہ نہیں تو بہتر ہے وہ پہلے ہندو تھے بعد میں سکھ بنے وہ اصل میں ہندو سماج کا ایک حصہ ہیں

(بشکریہ جنگ کراچی)

نظامِ مصطفیٰ ﷺ
ایک معاشی انقلاب

انسان دنیا میں کسی چیز کا مالک نہیں اسے صرف حق انتفاع حاصل ہے

تاریخ عالم میں اسلام ہی کو یہ شرف و امتیاز حاصل ہے کہ اس نے انسانیت کے بنیادی مسئلہ معاش کی جانب سب سے زیادہ توجہ دی ہے قرآن و حدیث میں توحید کے بعد سب سے زیادہ مواد اسی موضوع پر ملتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ جب تک معاشرہ معاشی لحاظ سے خوشحال اور طبقاتی گروہ بندیوں سے آزاد نہیں ہوگا؟ اخلاق و روحانیت کے درس اور وعظ اس پر بالکل اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

اسلام نے ملکیت کا اس قدر جامع، عالمگیر اور انقلابی تصور پیش کیا جو ہر دور کے لئے قابل عمل ہے اگر قرآن کریم اور سنت نبوی کو ماخذ تسلیم کیا جائے تو معاشی میدان میں دنیا کا کوئی (جدید ترین) بھی نظام اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ملکیت کے بارے میں اسلام کا پہلا اصول یہ ہے کہ ہر فرد کو اپنی صلاحیت کے مطابق کمانے اور اس کمائی سے فائدہ اٹھانے کی تو اجازت حاصل ہے اگرچہ اس میں بھی حلال ذرائع کی پابندی موجود ہے۔ لیکن بنیادی طور پر وہ فرد ان چیزوں کا مالک نہیں ہے اسے صرف حق انتفاع حاصل ہے اور یہ حق اسے صرف اس وجہ سے حاصل ہے کہ اس نے محنت کی ہے رہی ملکیت تو وہ صرف اور صرف اللہ کی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوا ترجمہ: "اور اللہ ہی کے لئے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی بلاشبہ اللہ کی ہے وارث بناتا ہے جسکو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے"۔ دوسری آیت سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ صرف زمین سے متعلق ہے معاشی اصطلاح میں وہ تمام عطیات خداوندی جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے زمین کہلاتے ہیں یعنی سطح زمین کے اوپر پائی جانے والی اشیاء دھوپ، روشنی بارش وغیرہ سطح زمین پر موجود پہاڑ، دریا، سمندر، جنگل نباتات، حیوانات وغیرہ اور زمین کے اندر معدنیات گیس، پٹرول وغیرہ شامل ہیں۔ اس سلسلے میں یہ حدیث شریف بھی پیش نظر رہے۔ ترجمہ: "عروہ کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شمان نوری - (سابق رکن قومی اسمبلی)

نے یہ فیصلہ فرما دیا تھا کہ زمین خدا کی ہے اور بندے بھی خدا کے ہیں جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے وہی اس کا زیادہ حقدار ہے یہ فیصلہ ہم تک انہی لوگوں کے ذریعے پہنچا جن کے واسطے سے ہم تک نمازیں پہنچی ہے" مفکر اسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نظریہ ملکیت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اسکی بنیاد یہ ہے جسکی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے کہ مال تمام کا تمام اللہ کا ہے اور حقیقت میں اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور اس سے پیدا شدہ اشیاء سے نفع اٹھانے کو مباح قرار دیا ہے تو لوگوں میں حرص پیدا ہوئی اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو نقصان پہنچائے بغیر کسی چیز پر قبضہ کر لیا ہے تو وہ اس سے چھینی نہ جائے اور اگر کسی شخص نے بنجر زمین کو آباد کیا ہے تو چونکہ وہ شخص پہلے پہل اس پر قابض ہوا اور اس نے کسی کو نقصان بھی نہیں پہنچایا ہیں اس سے یہ زمین نہ چھینی جائیگی اور تمام زمین مسجد یا مسافر خانوں کی طرح ہے جسے مسافروں پر وقف کر دیا جاتا ہے اور تمام لوگ اسمیں شریک ہوتے ہیں اور ہر مقدم کو اپنے موخر پر حق تقدم حاصل ہوتا ہے اور آدمی کی ملکیت کے معنی یہ ہیں کہ وہ دوسرے کی بہ نسبت اس سے نفع حاصل کرنے کا زیادہ حقدار ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افتادہ زمینیں اللہ اور اسکے رسول کی ہیں، اسکے بعد میری طرف سے تمہیں دیجاتی ہیں ــــ (حجۃ البالغہ) ملکیت کے بارے میں یہ نظریہ صرف لفظی بحث نہیں بلکہ اسلام کے مکمل معاشی پروگرام کی عمارت اسی بنیاد پر قائم ہے اس نظریے کو عملاً قبول کرنے کے بعد انسان دولت کا بے قید مالک نہیں بلکہ امین، نگران اور اصل مالک کا نمائندہ قرار پاتا ہے۔ اسے ہر قدم پر اس بات کا احساس رہتا ہے کہ کہیں میں اس امانت میں خیانت اور بددیانتی کا مرتکب تو نہیں ہو رہا جو مجھے قدرت کی طرف سے سونپی گئی ہے پھر اگر کوئی شخص صریحاً اس امانت میں بددیانتی اور خیانت کا

ہر چیز صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے

مرتکب ہو تو خلافت (حکومت) کو بجا طور پر اس بات کا حق حاصل ہوگا کہ وہ بزورِ ان اصولوں پر عمل کرائے گی جو پہلے سے طے شدہ ہیں تاکہ زمین پر معاشی گروہ بندی اور استحصال نہ ہو سکے۔

اسلامی تصورِ ملکیت میں بنیادی ضروریاتِ زندگی کی کفالت اور ذمہ داری حکومت کی ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق" دوسری جگہ فرمایا۔ "اور بے شک تمہارے لیے یہ ہے کہ نہ بھوک لگے یہاں اور نہ ننگے ہو گے" تیسرے مقام پر فرمایا "اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی سے ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی" ایک اور مقام پر فرمایا "ایمان لاؤ اللہ اور اسکے رسولؐ پر اور خرچ کرو ان مالوں میں سے جن میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے"۔

ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ قدرت نے اپنے اس نظام میں ہر ذی روح کے رزق کی ذمہ داری قبول کی ہے جو اس نے اختیاری طور پر بندوں کے سپرد کی ہے گویا جسطرح قدرت نے خیر و شر، نیکی و بدی اچھائی و برائی کے درمیان امتیاز قائم کرنے کے باوجود کسی ایک راستے پر چلنے کا انسان کو اختیار دیدیا ہے تاکہ اس دنیا کا مقصدِ تخلیق پورا ہو سکے ٹھیک اسی طرح سے اس نے انسانی معاش کے صحیح اور غلط راستے بھی متعین کر دیئے البتہ ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی مہلت دے دی مگر ساتھ ہی ہر راستے پر چلنے کے نتائج و عواقب سے بھی آگاہ کر دیا۔

اب اگر کچھ لوگ غربت و افلاس کا شکار ہیں اور کچھ عیاشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، کچھ لوگ بنیادی ضرورتوں کے لیے ترس رہے ہیں اور ایک طبقے کو دولت خرچ کرنے کا مصرف نظر نہیں آتا تو ظاہر ہے یہ اسلامی منشور اور قرآنی پروگرام کے سراسر خلاف ہے اب اس موقع پر اسلام اپنی نمائندہ حکومت (خلافت) کی ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے فرائض ادا کرے اور معاشرے میں عدل انصاف قائم کرے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مشہور قول اسی ذمہ داری کا آئینہ دار ہے کہ "اگر فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر گیا تو قیامت کے دن عمرؓ سے اسکی باز پرس ہو گی" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اسی سے متعلق ہے کہ "جس شخص کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بعض امور کا نگراں بنا دے اور وہ لوگوں کی ضروریات اور احتیاجات سے لاپرواہی برتے تو اللہ تعالیٰ اسکی ضروریات اور احتیاجات سے لاپرواہی برتے گا۔ اس ساری تمہید کا مقصد عرض کرنا مقصود ہے کہ اسلامی نمائندہ حکومت جسطرح قائم امر بالمعروف نہی عن المنکر کے قیام کی پابند ہے بالکل اسی طرح وہ عوام کی کفالت کی بھی ذمہ دار ہے عوام کو بنیادی ضروریاتِ زندگی، رہائش، روٹی، کپڑا، علاج معالجہ فراہم کرنے کی پوری طرح پابند ہے اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ان قرآنی آیات کا جن میں یہ ذمہ داری قبول کی گئی ہے کیا مصرف ہے؟ اگر یہاں پر یہ کہا جائے کہ جائز ذرائع سے ہر شخص جتنی دولت چاہے رکھ سکتا ہے تو یہ سوچ سراسر خلافِ اسلام جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ ذہن کی عکاسی کرتی ہے۔

"زمین" مسجد یا
مسافرخانوں کی طرح
ہے جس میں تمام
لوگوں کا حق ہے!

"اسلام میں ضرورت سے زیادہ اشیاء رکھنے کی ممانعت"

قرآن مجید میں ارشاد ہوا "اور پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا خرچ کریں، فرما دیجئے جو ضرورت سے زیادہ ہو" ظاہر بات ہے جب زائد از ضرورت رکھنے ہی کی ممانعت ہے تو اس کے لیے اندھا دھند ذرائع استعمال کرنا اور دولت سمیٹنا کسطرح جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ زائد از ضرورت دولت کا دیدینا "استحساناً" ہے یا حکماً اس سلسلے میں عرض ہے کہ اس بات کا یقیناً حکم ہے اور خلافتِ راشدہ میں اسکی نظیریں موجود ہیں، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضؓ کے ہمراہ تین سو صحابہ تھے جن میں سے اکثر کے پاس زادِ راہ ختم ہو گیا۔ جن کے پاس زادِ راہ موجود تھا ان سے لیکر آپ نے سب میں برابر تقسیم کر دیا اور صحابہؓ میں سے کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا"۔

ابو سعیدؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جس کے پاس زائد از ضرورت سواری ہو وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس نہیں ہے اور جسکے پاس زائد از ضرورت زادِ راہ موجود ہے وہ اسے دیدے جسکے پاس نہیں ہے آپ نے کئی ایسی ضروریات کی چیزیں بتائیں کہ ہمیں گمان ہوا کہ ہمارے پاس جو بھی زائد سامان موجود ہے اس پر ہمارا کوئی حق نہیں" ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس میں صحابہؓ کا اجماع ہے۔

اسلام کے پورے معاشی نظام کے مطالعے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے ہر شخص بقدرِ ضرورت اپنے پاس رکھ سکتا ہے اس سے زیادہ کی اسے اجازت نہیں اسلام کے نزدیک تمام لوگ ایک کنبے کے افراد ہیں لہٰذا اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ ان میں کوئی ایک شخص اپنے پاس دولت یا دیگر وسائلِ رزق کا اتنا حصہ روک لے جس سے دوسرے افرادِ کنبہ متاثر ہوں حدیث شریف میں ارشاد ہوا "تمام لوگ اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہیں اللہ کو تمام مخلوق میں وہ شخص زیادہ محبوب ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ احسان کرے"

اجتماعی مفاد کیخاطر نجی ملکیت ختم کی جا سکتی ہے

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو نمونۂ کامل اور اسوۂ حسنہ بنا کر بھیجا گیا آپ نے اپنے طرزِ عمل سے جو نقوش چھوڑے ہیں، ملتِ اسلامیہ کے لیے انہیں فلاح کا بلند ترین درجہ قرار دیا گیا، انس بن مالک رضؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لیے بچا کر کچھ نہ رکھتے تھے" اس کے ساتھ یہ مشہور حدیث شریف کہ "ہم گروہ انبیاء ہیں ہماری جائداد وراثت نہیں ہوتی ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے"، اس کے علاوہ صحابہ کرامؓ اور بزرگانِ دین کی زندگیاں جو ہماری عقیدت کا مرکز و محور ہیں مگر جب اسلام کے معاشی نظام کی بات ہوتی ہے تو ہم اسوۂ حسنہ، عمل صحابہؓ اور تعامل اولیاء میں سے کسی چیز کو بھی معاشی نظام کی بنیاد بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے مذکورہ بالا ارشادِ گرامی کو ہم نے صرف مسئلہ فدک تک محدود کر رکھا ہے آخر کیا وجہ ہے کہ رحمۃ للعالمینؐ کی مثالی زندگی کا یہ مبارک حصہ ہمارے نظام کی بنیاد قرار نہ پائے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب عراق کا علاقہ فتح ہوا تو مجاہدین نے سیدنا عمر فاروق رضؓ سے درخواست کی کہ

علاقہ ہمارے درمیان تقسیم کر دیجئے، مگر آپؓ نے انکی درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا ایسی صورت میں تمہارے بعد آنیوالے مسلمانوں کو کیا ملے گا؟ چنانچہ سیدنا عمر فاروقؓ نے سواد کے باشندوں کو بحال رکھا ان پر فی کس جزیہ اور ان کی زمینوں پر لگان لگا دیا اسطرح یہ زمینیں ان میں تقسیم کی بجائے اجتماعی مفاد کی خاطر بیت المال کی ملکیت میں رہنے دیں۔

تماجثون کہتے ہیں کہ حضرت بلالؓ نے طاقت کے ذریعے مفتوحہ علاقوں کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ زمین ہمارے درمیان تقسیم فرما دیجئے اور اس کا خمس لے آپ رکھ لیجئے، انہوں نے فرمایا یہ تو اصل سرمایہ ہے میں اسے وقف رکھونگا اور اس سے مجاہدین اور دوسرے مسلمانوں کو وظیفے دیئے جائیں گے اس پر حضرت بلالؓ نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا الٰہی! مجھے بلالؓ اور اسکے ساتھیوں سے نجات دے" ایک روایت کے مطابق زمین تقسیم نہ کرنے اور اسے مشترکہ مقاصد کے لئے وقف رکھنے کا مشورہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیا تھا مذکورہ اقدامات کی روشنی میں اگر آج بھی خوراک، لباس، رہائش، علاج معالجہ اور ذرائع مواصلات کو مشترکہ ملکیت میں لایا جائے تو یہ اقدام نہ صرف اسلام کے مطابق ہوگا بلکہ اس سے عام معاشرتی بے چینی بھی دور ہو سکتی ہے اسلام سے قبل عرب میں دستور تھا کہ بعض افراد یا قبائل اپنے مفاد کیلئے زمین کا کچھ حصہ چراگاہ کے طور پر محفوظ کر لیتے تھے اس میں دوسرے قبائل یا افراد کو دخل کا حق نہیں ہوتا تھا حضور نبی کریمؐ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا — "اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کے لئے کوئی مخصوص علاقہ نہیں ہے"۔

سیدنا عمر فاروقؓ نے ربذہ میں سرکاری حمیٰ بنایا تو کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ ان زمینوں کے لئے ہم جاہلیت میں لڑتے رہے ہیں اور قبول اسلام کے وقت یہ ہماری ملکیت تھیں آپ کس بنا پر ہم سے چھین رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا "تمام مال اللہ کا ہے اور تمام بندے اللہ کے بندے ہیں۔ واللہ اگر مجھے راہ خدا میں مجاہدین کے لئے سواریاں مہیا کرنا نہ ہوتیں تو میں بالشت بھر زمین بھی حمیٰ کے لئے نہ روکتا" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چراگاہوں کو اللہ اور رسول کی ملکیت قرار دینا اور سیدنا عمرؓ کا لوگوں کی مملوکہ زمینوں کا اپنی تحویل میں لینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حالات کا تقاضہ ہو تو ایسا اقدام نہ صرف جائز بلکہ سنت ہے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ

اسلام ضرورت سے

زیادہ اشیاء

رکھنے کی

اجازت نہیں دیتا

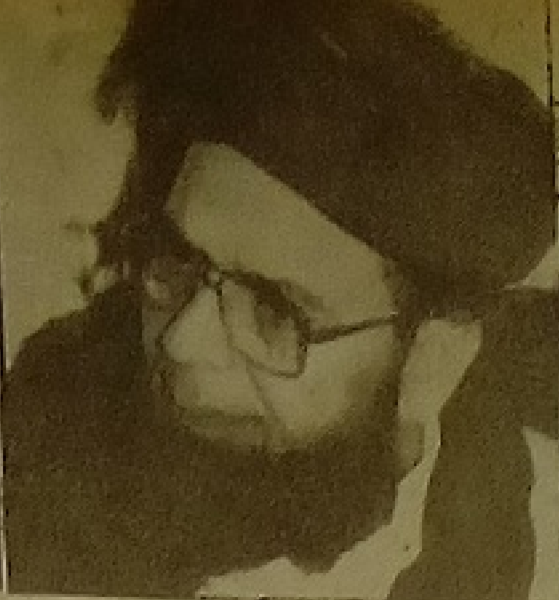
عنہ کے بارے میں تمام مورخین نے یہ واقعہ نقل کیا ہے واقدی کی روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ نے انصاب حرم کی تجدید نیز مسجد حرام میں اضافہ کیا اور توسیع دی کچھ لوگوں نے آپ کا حکم مان لیا اور بعض نے انکار کیا۔ آپ نے ان کے مکان مسمار کرا دیئے اور ان مکانوں کی قیمتیں بیت المال میں جمع کرا دیں۔ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف احتجاج کیا اور شور مچایا۔ آپ نے انہیں حراست میں لینے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جانتے ہو تمہیں کس بات نے اتنی جرأت دی وہ صرف میری نرم طبیعت ہے حضرت عمرؓ نے بھی تمہارے ساتھ یہی کیا تھا لیکن تم نے ان کے خلاف احتجاج نہ کیا۔ بالآخر عبداللہ بن خالد بن ولید نے حضرت عثمانؓ سے گفتگو کی اور لوگوں کو آزاد کرایا۔ ان واقعات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اگر دوسری اجتماعی ضرورت کے لئے انہیں مالکان اراضی کی زمینیں حکماً خریدنے کی ضرورت پڑتی تو وہ اس میں قطعاً تامل نہ کرتے مذکورہ واقعات سے اسلامی حکومت اور اس کی حیثیت حاکمہ کا یہ حق ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ اس قسم کے قوانین بنانے کی مجاز ہے جن کے ذریعہ سے کسی خاص طبقے کو حکومت کے ہاتھ اپنی جائیداد فروخت کرنے پر مجبور کیا جا سکے۔ اس کی عملی صورتیں کیا ہوں گی انھیں طے کیا جا سکتا ہے۔ اتنی بات بلا حیل و حجت ثابت ہو گئی کہ اگر کسی دور کے مسلم معاشرے کو اس بات کی ضرورت محسوس ہو کہ انفرادی ملکیت صنعت یا دیگر بڑے ذرائع پیداوار کو معاشرے کی اجتماعی ملکیت بنانا ضروری ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے آخر پٹرول، گیس، کوئلہ، جپسم، سونا وغیرہ بھی تو زمین سے نکلتا ہے کیا کوئی حکومت ایک لمحہ کے لئے بھی ان چیزوں کو نجی ملکیت میں دے گی۔ اگر یہ ذخائر کسی شخص کی نجی زمین میں نکل آئیں تب بھی اجتماعی مفاد کی خاطر اس کی مالک حکومت ہوا کرتی ہے۔

ان دلائل سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اسلامی حکومت عمومی مفاد میں ہر قسم کا اقدام کر سکتی ہے جب استحصالی طبقہ عوام کے حقوق پامال کرنے لگے۔ نظام دولت بگڑ جائے گردش زر رک جائے اور کسی ایسے اقدام کے بغیر اصلاح احوال ممکن نہ ہو تو اسلامی حکومت جو اقدام مناسب سمجھے کر سکتی ہے۔ حضور اکرمؐ نے بلال بن حارث مزنی کو وادی عقیق کا پورا علاقہ بطور عطیہ دیا تھا۔ ان سے یہ پورا علاقہ آباد نہ ہو سکا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت بلالؓ سے فرمایا یقیناً جانتے ہو رسول اللہؐ نے یہ علاقہ تمہیں اس لئے نہیں بخشا تھا کہ تم اسے لوگوں سے روک کر بیٹھ جاؤ۔ آپ نے یہ علاقہ آباد کرنے کی خاطر دیا تھا لہٰذا اس حصے میں جتنا آباد کر سکتے ہو وہ رکھو باقی واپس کر دو۔ ایک روایت کے مطابق حضرت بلالؓ ایسا کرنے پر آمادہ نہیں تھے مگر سیدنا عمرؓ نے یہ زمین حکماً واپس لے کر مستحقین میں تقسیم کر دی۔ اسی قسم کی ایک روایت خود حضور اکرمؐ سے مروی ہے۔

"ایک انصاری کے باغ میں حضرت سمرہ بن جندب کے کھجوروں کے درخت تھے اس کے ساتھ ہی انصاری کا مکان تھا جسمیں اس کے اہل و عیال رہتے تھے، سمرہ بن جندب باغ میں آتے تو اس گھر سے گزرنا پڑتا اس سے انصاری کو تکلیف ہوتی تھی۔ انصاری نے رسول اللہ سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپ نے سمرہ کو بلایا اور فرمایا کہ یہ درخت اس انصاری کے ہاتھ بیچ دو۔ وہ نہ مانے آپ نے فرمایا اچھا درختوں کا تبادلہ کر لو۔ وہ یہ بھی نہ مانے آپ نے اس پر فرمایا۔ اچھا یہ درخت انصاری کو بخش دو۔ اس پر آپ نے سمرہ کو رغبت بھی دلائی مگر انہوں نے اسے بھی قبول نہ کیا۔ آپ نے فرمایا تو ایذا پہنچانے والا ہے۔ انصاری کو حکم دیا اس کے درخت کاٹ ڈالو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے حق تصرف کی وجہ سے عوام کے لئے تکلیف کا سبب بن رہا ہو یا اس نے وسیع جائیداد بلا وجہ روک رکھی ہو چاہے اسے یہ جائز ذرائع سے ہی حاصل ہوئی ہو، حکومت اسلامی ایسے اشخاص کے حقوق تصرف کو ختم کر سکتی ہے۔

انگریز سامراج کے دور حکومت میں تقسیم دولت کا نظام بری طرح بگڑ چکا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام نے کروڑوں عوام کو مجبوری اور بے بسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اگر آج مسلم معاشرہ نظام مصطفےٰ کی تشکیل کے ذریعے سارے معاشرے کی فلاح اور بہتری کے لئے سرکش جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا حق تصرف زائل کر دے تو مثالی معاشرہ وجود میں آسکتا ہے

باقی صفحہ ۵۰ پر



تحریر محمد عباس ظہیر

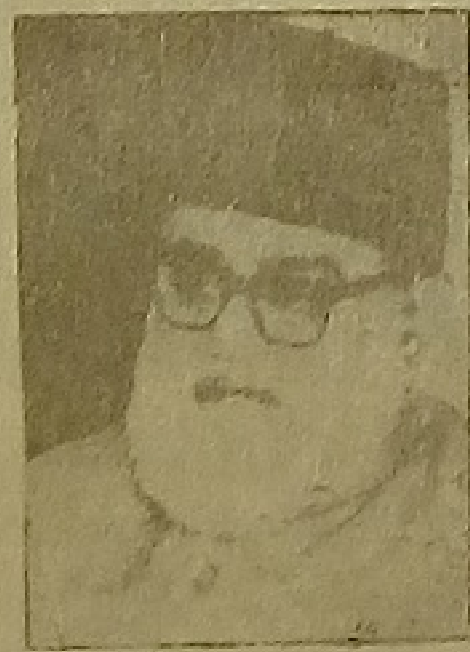
جماعت اسلامی کے حلیف صحافی اہلسنت سے بغض کے باعث

مولانا نورانی کے خلاف مکروہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں

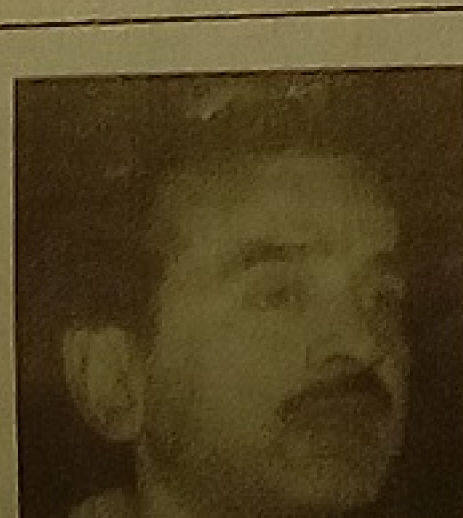
ہفت روزہ "زندگی" میں رؤف طاہر کی من گھڑت کہانی

جے یو پی کی مخالفت میں حقائق کا قتل

جمعیت علماء پاکستان کا اندرونی خلفشار ملک کے ہر دین پسند اور اسلامی قدروں کے طرفدار پاکستانی کے لئے تشویش کا باعث بنا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان کی صرف ایک سیاسی جماعت ایسی تھی کہ جس پر جھکنے اور بکنے کا الزام نہ تھا مگر موجودہ صورتحال میں یہ خوش فہمی بھی فوت ہو چکی ہے ملک میں تشویش کی اس لہر کے باوجود سب سے زیادہ خوشی جن عناصر کو ہوئی ہے وہ ہیں منصورہ کے طرفدار ان میں منصورائی پریس کا لاؤڈ لشکر مولانا محمد عبدالستار خان نیازی کو صدر بنا کرانے میں پوری قوتیں صرف کر رہا ہے اور مولانا شاہ احمد نورانی کو بزعم خویش معزول کر کے اہل منصورہ بڑے خوش موڈ میں ہیں، چنانچہ جماعت اسلامی کے تنخواہ دار کراچی اور لاہور کے جرائد مولانا نیازی صاحب کو بڑی فراخدلی سے سپورٹ کر رہے ہیں، مولانا نیازی صاحب کے انٹرویو چھاپے جا رہے ہیں اداریے لکھے جا رہے ہیں، اور اپنے گمان کے مطابق منصورہ خوش ہے کہ اس نے اپنی منزل حاصل کر لی ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی منصورہ کے شیشے میں نہیں اتر سکے جبکہ نیازی صاحب کو نواز شریف کے وسیلہ جلیلہ سے منصورہ نگر کا ایک دست نگر بنانے کی سازش کامیاب ہو چکی ہے چنانچہ کبھی "بڈھا سیاست" کے عنوان سے اداریہ "جمعیت علماء پاکستان میں تفرقہ بازی" کے عنوان سے مضمون اور حالیہ شمارہ ۱۶ تا ۲۲ مارچ کے صفحات ۲۷ تا ۳۱ میں رؤف طاہر صاحب کی ایک مسلسل کہانی چھپی ہے جس میں "جمعیت علماء



مولانا مودودی گھر کے دسترخوان پر دعوت تناول فرماتے ہوئے دیکھے گئے



پاکستان بیبا اور بیالوالی کے درمیان کے عنوان سے "بیس سالہ زیر و بم کی داستان" کا جائزہ لیا گیا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ رؤف طاہر جمعیت کے اندرونی معاملات سے بالکل ناواقف معلوم ہوتے ہیں انہوں نے مضمون برائے مضمون کا کھیل کھیلا ہے جس سے حقیقت کا کوئی تعلق نہیں ہے میں ان کے مضمون پر انہیں کی طرح پیرایہ ہی گفتگو کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اگر جناب مجیب الرحمٰن شامی میں صحافتی غیر جانبداری کا شائبہ بھی ہوا تو میرا مضمون بھی انکے اس ہفت روزہ میں جگہ پا سکے گا۔

یہ بات درست نہیں ہے کہ ۱۹۷۰ء سے پہلے جمعیت علمائے پاکستان اہلسنت (بریلوی علماء و مشائخ) کی غیر سیاسی تنظیم تھی بلکہ جمعیت اس ملک کی واحد سیاسی تنظیم تھی جس نے ۲۷ مئی ۱۹۴۹ء کو سب سے پہلے ملک میں یوم شریعت منایا اور موچی دروازے میں سب سے پہلی شریعت کانفرنس جمعیت نے کی ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی تحریک میں جمعیت کے موجودہ قائد علامہ شاہ احمد نورانی نے ۱۸ مئی ۱۹۵۳ء کو کراچی میں آل مسلم پارٹیز کنونشن میں جمعیت کی نمائندگی کی (منیر رپورٹ صفحہ ۸۰) آغا شورش کاشمیری کی کتاب سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۲۲۷ اور جمعیت کے پہلے صدر حضرت علامہ ابوالحسنات قادری تحریک ختم نبوت کے سربراہ تھے جمعیت نے ۱۹۴۸ء کے جہاد کشمیر میں حصہ لیا اور ۱۵ اپریل ۱۹۴۹ء کو جمعیت نے ہی ملکی سطح پر یوم کشمیر منایا اس طرح یہ کہنا کہ ۱۹۷۰ء سے پہلے

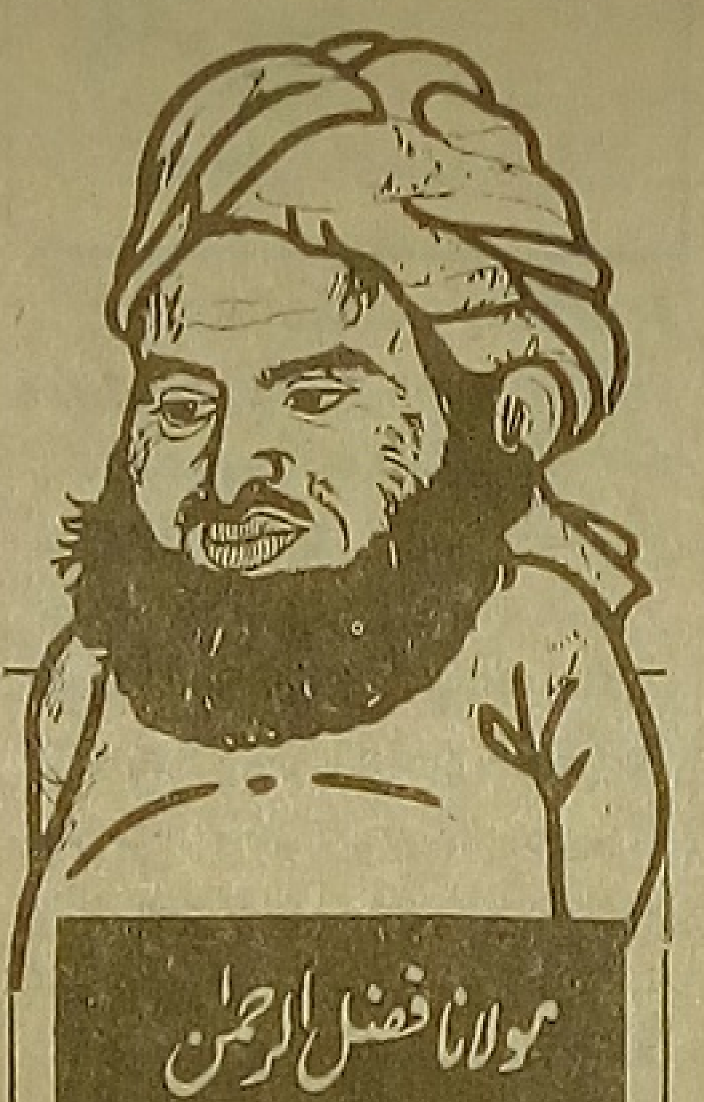
جمعیت غیر سیاسی تنظیم تھی، صحیح نہیں البتہ جمعیت نے انتخاب میں پہلی مرتبہ ۱۹۷۰ء میں حصہ لیا اور بھٹو صاحب کے کمیونزم اور سوشلزم کے نعروں کا مقابلہ سب سے پہلے جمعیت ہی نے کیا۔

یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا عبدالغفور ہزاروی، محترمہ فاطمہ جناح کے حامی تھے بلکہ علمائے اہلسنت فاطمہ جناح اور بے نظیر سمیت آج بھی عورت کی سربراہی کو اتفاق رائے سے حرام سمجھتے ہیں مولانا عبدالستار خان نیازی محترمہ فاطمہ جناح کے حامی تھے مگر اس وقت جمعیت میں نہ تھے اور اہل سنت بریلوی مکتب فکر میں بھی انکی شمولیت واضح نہیں تھی۔ رؤف طاہر صاحب کا شکریہ کہ انہوں نے ۱۹۴۶ء کی بنارس سنی کانفرنس کو تحریک پاکستان کا ایک اہم باب تسلیم کر لیا ہے جبکہ ۲۶ اپریل ۱۹۴۷ء کو جماعت اسلامی کے پٹنہ اجتماع میں گاندھی جی کی تشریف آوری بھی ایک مسلم امر ہے۔

(تاریخ جماعت اسلامی مصنفہ سید اسعد گیلانی صفحہ ۲۱۱)

رؤف طاہر صاحب کی یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ مبلغ اسلام حضرت علامہ محمد عبدالعلیم صدیقی رح اپنے صاحبزادے مولانا شاہ احمد نورانی کی بجائے اپنی صاحبزادی پر زیادہ اعتماد فرماتے تھے بلکہ مولانا شاہ احمد نورانی کے بڑے بھائی حضرت مولانا شاہ محمد جیلانی خدا کے فضل سے اب بھی موجود ہیں وہ بڑے بھائی ہونے کے باوجود مولانا شاہ احمد نورانی کے علم و تقویٰ کے انتہائی معترف بلکہ معتقد ہیں مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کا پورا خاندان اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان بریلوی رح کا مرید تھا اور اسی نسبت سے وہ اعلیٰ تعلیمیافتہ بھی ہیں۔

یہ الزام بھی قطعی غلط ہے کہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمرالدین سیالوی رح کی صدارت کے خلاف مولانا نورانی نے کوئی لابی یا سازش کی تھی بلکہ مولانا نورانی آخر وقت تک حضرت خواجہ صاحب رح سے انتہائی عقیدت اور نیازمندی کا مظاہرہ فرماتے رہے حضرت خواجہ صاحب رح انتہائی نیکدل اور نیک سیرت بزرگ تھے اور وہ صرف بوجہ علالت مستعفی ہوئے تھے۔ مولانا شاہ احمد نورانی جمعیت کے مرکزی نائب صدر تھے، ۱۳ جون ۱۹۷۰ء کو ٹوبہ ٹیک سنگھ سنی کانفرنس میں حضرت خواجہ صاحب رح صدر منتخب ہوئے تھے جبکہ اس موقع پر مولانا نورانی کو نائب صدر منتخب کیا گیا تھا حضرت خواجہ صاحب رح نے ۱۹۷۳ء میں بوجہ علالت استعفیٰ دے دیا تھا جبکہ ۲۷ مئی ۱۹۷۳ء میں خانیوال کنونشن منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا شاہ احمد نورانی کو صدر منتخب کیا گیا تھا اور یہ کہنا کہ کراچی کے کسی اجلاس میں جمعیت کے دستور سے وہ شق حذف کی گئی جس میں ایک شخص کے دو سے زیادہ مرتبہ



صدر بننے پر پابندی عائد تھی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ شق ۲۵ مارچ ۱۹۷۹ء کو رائے ونڈ میں جمعیت کے زیر اہتمام منعقدہ میلاد مصطفیٰؐ کانفرنس کے موقع پر مجلس شوریٰ اور عاملہ کے اجلاس میں مولانا نیازی صاحب کی تجویز پر حذف کی گئی اسوقت جمعیت کی مجلس شوریٰ ۱۷۹ اراکین پر مشتمل تھی جن میں ۱۵۰ ارکان موجود تھے صرف ایک ووٹ اس شق کے برقرار رہنے کے حق میں تھا اور وہ ووٹ مولانا شاہ احمد نورانی کا تھا جبکہ تمام مجلس شوریٰ نے مولانا نیازی صاحب کے اصرار پر مولانا شاہ احمد نورانی کو ہمیشہ صدارت کے لیے مجبور کیا جاتا رہا ہے اور جب بھی مولانا نورانی نے صدارت سے علیحدہ ہونا چاہا تو مولانا نیازی ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ "ساتھ آئے ہیں اور ساتھ جائیں گے"۔

باقی رہی یہ بات کہ مولانا نورانی نے اصغر خان کے ساتھ دوستی کیوں نبھائی، تو اس سلسلے میں گذارش ہے کہ مولانا نورانی کی ائیر مارشل اصغر خان سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے جبکہ مولانا مودودی اور اصغر خان کی بیویاں آپس میں بہنیں ہیں مولانا نورانی نے تو ہمیشہ اصغر خان کو نظام مصطفیٰؐ کے لئے قائل کیا ہے اور اصغر خان نے ہمیشہ مولانا نورانی کی فکر کو اپنایا ہے باقی رہی ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے کی اصغر خان کی طرف سے مخالفت تو مولانا نیازی صاحب بار بار بیان کر چکے ہیں کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں مولانا مودودی تحریک میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے۔ بقول مولانا نیازی صاحب مولانا مودودی صاحب یہ فرماتے تھے کہ تحریک ختم نبوت ان پر اسی طرح مسلط ہو گئی ہے جس طرح سڑک پر کھڑے ہوئے انسان پر ٹرک چڑھ جائے۔

(ماہنامہ فیضان لاہور بابت اپریل ۱۹۷۹ء)

رؤف طاہر صاحب نے ہفت روزہ "زندگی" ۸ تا ۱۵ دسمبر ۱۹۷۶ء کے حوالے سے بھٹو کے خلاف مولانا نورانی کا انٹرویو نا معلوم کس وجہ سے نقل فرمایا ہے جبکہ آج بھی مولانا نورانی اور پوری جمعیت بھٹو پیپلز پارٹی یا انکی حکومت کے بارے میں کسی نرم جذبات نہیں رکھتی، آج بھی پیپلز پارٹی اور اسوقت کے فوجی آمر کو ملک توڑنے کا ذمہ دار کہتے ہیں اور آج بھی عورت کی سربراہی کو ناجائز تصور کرتے ہیں مولانا نورانی اپنے سیکڑوں بیانات میں ۱۹۸۸ء کے انتخابات کے نتائج کو عوام کا غلط فیصلہ قرار دے چکے ہیں، پیپلز پارٹی سے کسی قسم کے معاہدے کے امکان کو مسترد کر چکے ہیں، مگر مولانا نورانی کا قصور یہ ہے کہ وہ نواز شریف جماعت اسلامی اور آئی جے آئی کے نام سے ٹولے کو بھان متی کا کنبہ قرار دیتے ہیں اور پیپلز پارٹی سے انہیں مختلف نہیں سمجھتے ان لوگوں کو اسلامی قوتیں تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کو مارشل لاء کے زیر سایہ پلنے والے سیاسی بونے سمجھتے ہیں، بس اسی رائے کی سزا مولانا نورانی کو دی جا رہی ہے اور انہیں زبردستی پیپلز پارٹی سے نتھی کیا جا رہا ہے مولانا نیازی صاحب خوب جانتے ہیں کہ پیپلز پارٹی کو نورانی صاحب کبھی اپنا حلیف نہیں بنا سکتے مگر

جماعت اسلامی کے حلیف اور سرپرست صحافی اپنے اہلسنت سے بغض کے باعث مولانا نورانی کے خلاف مکروہ پروپیگنڈہ کررہے ہیں۔

بھٹو دور میں جمعیت علماء پاکستان کی جدوجہد رؤف طاہر صاحب نے تسلیم فرماکر بڑی مہربانی کی ہے مگر جمعیت سندھ کی صوبائی تنظیم کے صوبائی وزیراعلیٰ سندھ جناب جتوئی سے خوشگوار تعلقات کی کہانیوں سے متعلق بات بھی حسب معمول بے بنیاد الزام ہے جبکہ پنجاب میں پیپلز پارٹی نے کھر کے زمانے میں مبینہ طور پر ڈاکٹر نذیر احمد کو قتل کردیا یہ جماعت اسلامی کے پنجاب سے واحد منتخب رکن قومی اسمبلی تھے۔ جماعت اسلامی کے لڑکے نعرے لگاتے تھے "ایک کے بدلے تین سر، بھٹو، کوثر اور کھر" مگر حیرت سر پیٹ لیتی ہے جب مولانا مودودی انہیں دنوں کھر کے دسترخوان پر دعوت تناول فرماتے دیکھے گئے جس پر آغا شورش کاشمیری جیسے لوگ بھی تڑپ گئے ایسے عالم میں رؤف طاہر صاحب کو جمعیت کے کچھ لوگوں کی خفیہ کہانیوں کی بجائے ڈاکٹر نذیر احمد کے خون کی مبینہ توہین کا جائزہ لینا چاہیئے۔

قومی اتحاد سے جمعیت کا علیحدہ ہونا صرف اس بنا پر تھا کہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو قومی اتحاد کی تمام جماعتوں نے اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ضیاء الحق کی نامزد وزارت میں نہیں جائیں گے مگر سب سے پہلے مسلم لیگ کے چوہدری ظہور الٰہی ضیاء الحق کی کابینہ میں وزیر بن گئے نیز قومی اتحاد ـــــ نے فیصلہ کررکھا تھا کہ اس کے عہدیداران کا انتخاب اتفاق رائے سے ہوگا مگر اتحاد کے وڈیروں نے اس کے عہدے ریوڑیوں کی طرح بانٹ لیے جمعیت جنوری ۱۹۷۸ء میں علیحدہ ہوئی تھی مگر دسمبر ۱۹۷۷ء میں چوہدری ظہور الٰہی وزیر بن چکے تھے اور نوابزادہ نصراللہ خان اتحاد کے انتخابات کے سلسلے میں جمعیت کے دلائل کے قائل ہوچکے تھے ظہور الحسن بھوپالی مرحوم نے خان گڑھ میں نوابزادہ نصراللہ خان کو جمعیت کا موقف پیش کیا اور نوابزادہ نصراللہ خان دلائل کا جواب نہ دے سکے انہوں نے جمعیت کے مؤقف کو درست تسلیم کرلیا مگر جماعت اسلامی اور مفتی محمود نے اس کو مسترد کردیا اس طرح قومی اتحاد توڑنے کا ثواب دارین بھی جماعت اسلامی کے کھاتے میں ہے۔

رؤف طاہر کا شکریہ کہ انہوں نے بنارس کانفرنس کو تحریک پاکستان کا اہم باب تسلیم کرلیا

جمعیت علماء پاکستان کے نزدیک آج بھی جماعت اسلامی جمہوریت سے مخلص نہیں ہے وہ واقعتاً مارشل لاء کی بی ٹیم رہی ہے اور آئندہ بھی خدانخواستہ کوئی مارشل لاء لگ جائے تو جماعت اسلامی ڈکٹیٹروں کے بوٹ پالش کرنے میں کوئی حجاب محسوس نہیں کرے گی دولتانہ صاحب کی وساطت سے مسلم لیگ اور جمعیت کا جو اتحاد ہوا تھا اس میں پہلی شرط یہ تھی کہ پیر صاحب پگارا ضیاء الحق سے تنہا کوئی ملاقات نہیں کریں گے اور دونوں پارٹیوں کی سات سات رکنی کمیٹیاں سیاسی پالیسی طے کریں گی مگر جب پیر صاحب نے اس کی پابندی نہیں کی تو جمعیت نے ان سے ناطہ توڑ دیا اور مولانا نورانی صاحب نے واضح بیان دیا کہ پیر صاحب سے ہمارا روحانی تعلق پیر جوگوٹھ تک ہے اس سے آگے ہمارے اور ان کے راستے جدا جدا ہیں رؤف طاہر صاحب کو جمعیت کی اس مسئلے میں تعریف کرنی چاہیئے تھی کہ اس نے جی ایچ کیو کے پیر صاحب کو واپس لانے کی کوشش کی مگر وہ اسکو بھی طعنہ کے انداز میں پیش کررہے ہیں اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ دو جماعتی اتحاد کو کابینہ میں شمولیت کی کوئی دعوت تھی بلکہ جمعیت نے یہ اتحاد پیر صاحب کو مارشل لاء سے دور رکھنے کے لئے کیا تھا سردار عبدالقیوم کا ایم آر ڈی سے نکل جانا ان کی اس حکمت عملی کا مظہر ہے جس کا وہ آج بھی مظاہرہ کررہے ہیں کہ پاکستان کی   ہر مرکزی حکومت سے وہ بگاڑ نہیں سکتے چنانچہ ضیاء الحق کے مرشد کہلانے کے باوجود بے نظیر کے حالیہ دورہ آزاد کشمیر میں وہ بے نظیر کے مرید نظر آرہے تھے اسلئے انکے ایم آر ڈی کو توڑنے کا کوئی سیاسی اثر جمعیت پر نہیں پڑسکتا۔

ایم آر ڈی میں شمولیت کا کبھی جمعیت نے فیصلہ نہیں کیا بلکہ اخلاقی حمایت ہوتی رہی ہے جمعیت کے اندر ایک طبقہ ایسا ضرور تھا جو ایم آر ڈی میں شمولیت چاہتا تھا چنانچہ ۱۹۸۳ء میں جمعیت پنجاب کی شوریٰ نے الف فار لاء سے اس سفارش کو قبول نہ کیا اس میں مولانا نیازی کے کسی زور کا اثر نہ تھا بلکہ جمعیت خود اپنا علیحدہ تشخص قائم رکھنے میں کامیاب رہی جبکہ پیپلز پارٹی ایم آر ڈی میں اور جماعت اسلامی ضیاء الحق کی غلامی میں گرفتار ہوگئیں مولانا فضل الرحمٰن ۷۰ کلفٹن میں احرام باندھ کر حاضری دیتے رہے ایسے عالم میں جمعیت واحد جماعت تھی جس نے "گول میز کانفرنس" اور "ایک نکاتی فارمولا" کے عنوانات سے اپنا سیاسی وقار نہ صرف بحال رکھا بلکہ بہت حد تک قیادت کی آل پارٹیز کانفرنس کا تصور جمعیت نے دیا جس سے ضیاء الحق اور جماعت اسلامی پر لرزہ طاری ہوجاتا تھا۔

مضمون نگار نے یہ دور کی کوڑی رقم کی ہے کہ جہاد افغانستان کے مسئلے پر مولانا نورانی کے رویہ کے باعث علماء و مشائخ جمعیت سے دور ہوتے چلے گئے بلکہ حقیقی علماء و مشائخ آج بھی جمعیت اور مولانا نورانی کے ساتھ ہیں اور آج بھی یہ حقیقت ہے کہ مسئلہ افغانستان امریکہ اور جماعت اسلامی کا مسئلہ زیادہ اور جہاد کم تھا مولانا نیازی صاحب کو جمعیت کے اندر اس مسئلہ پر تائید نہیں مل سکی ۱۹۸۶ء میں مولانا نورانی کے دورہ افغانستان کو مولانا نیازی نے نہیں مولانا نورانی کی وسعت ظرفی نے منسوخ کیا تھا کیونکہ اس مسئلہ پر مولانا نیازی صاحب کی تجویز پر مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا گیا تھا، بھرپور بحث کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ شرکاء کی اکثریت نے دورہ افغانستان کی حمایت کی تھی اجلاس میں حضرت سید محمد امین شاہ گیلانی، صاحبزادہ محمد زبیر، مفتی مختار احمد نعیمی جناب جاوید صدیقی، محمد احمد صدیقی، ڈاکٹر محمد بدر قریشی، پیر اعجاز احمد ہاشمی اور خود مولانا نورانی نے دورہ افغانستان کی حمایت کی تھی جبکہ مولانا عبدالستار خان نیازی، پیر برکات احمد اور شیخ محمد لطیف چشتی دورہ افغانستان کے حامی نہیں تھے اس کے باوجود اکثریت دورہ کرنے کے حق میں تھی کہ افغانستان کے ۹۵ فیصد مسلمان حنفی سنی ہیں اور صرف ۵ فیصد دوسرے عقائد سے تعلق رکھتے ہیں گلبدین حکمت یار کا ٹولہ صرف ایک فیصد ہے مگر امریکہ کی مدد سے وہ سنی مسلمانوں کو اپنے عقائد سے بھکا رہا ہے مولانا نیازی صاحب

کے پاس ان دلائل کا جواب نہ تھا، اسکے باوجود مولانا
نورانی نے صرف اس جذبے کے تحت کہ "مجلس شوریٰ
تقسیم نہ ہو جائے" رضاکارانہ طور پر دورہ نہ کرنے کا
فیصلہ کیا اور پوری شوریٰ کو اس پر قائل کر لیا اس
لئے مضمون نگار کا یہ کہنا کہ دورہ صرف مولانا نیازی
صاحب کی وجہ سے منسوخ ہوا یہ ایجاد بندہ ہے۔

جمعیت علماء پاکستان نومبر ۱۹۸۸ء کے بعد ایک
نئے سیاسی دور میں داخل ہوئی کہ مولانا نیازی کی
وجہ سے جمعیت علماء پاکستان کسی مضبوط اتحاد میں شامل
نہ ہو سکی جسکی بنا پر جمعیت کو صرف تین سیٹیں ملیں
پاکستان عوامی اتحاد کے نام سے جمعیت اسمبلی میں پہنچی
اور نشستیں صرف تین تھیں، ۲۶ نومبر ۱۹۸۸ء کو
جمعیت کی مجلس عاملہ نے مولانا نیازی صاحب سمیت
فیصلہ کیا کہ وفاق کی سالمیت کے لئے اعتماد کا ووٹ
بے نظیر کو دیا جائے مگر اپوزیشن میں فعال کردار ادا
کیا جائے تاکہ جماعتی تشخص بھی برقرار رہے اور دونوں
حکمران ٹولوں کا محاسبہ بھی ہوتا رہے مگر مولانا نیازی
نے عدالت ووٹ استعمال نہ کیا اور کہا کہ اگر خفیہ رائے
شماری سے فیصلہ ہوتا تو میں ووٹ دے دیتا مگر
ہاتھ کھڑے کر کے میں بینظیر کو ووٹ نہیں دے سکتا
اس طرح انہوں نے جمعیت کو مزید نقصان پہنچایا عدم اعتماد
کی تحریک اگرچہ جمعیت کی رائے میں یہ تحریک قبل از
وقت تھی مگر پھر بھی بے نظیر کے خلاف ووٹ دیا گیا
ہے لیکن مولانا نیازی نے اس کو نامناسب طریقے سے
استعمال کیا جس سے رؤف طاہر صاحب کو بھی موقع
ملا حلقہ ۹۹ کا ضمنی انتخاب بھی اسی کشمکش کا شکار
ہوا کہ ۲۸ دسمبر ۱۹۸۹ء کو شوریٰ میں فیصلہ ہوا کہ انتخاب
لڑا جائے گا مولانا نیازی نے بھی فیصلے کو تسلیم کیا۔
۱۸ جنوری ۱۹۹۰ء کو مولانا نیازی نے خود مولانا
الوری کو ٹکٹ جاری کیا ۲۶ جنوری تک مولانا نیازی
بظاہر انتخاب لڑنے کے حق میں رہے لیکن اندرون خانہ
وہ الوری صاحب کو بٹھانے پر اصرار کرتے رہے ۱۲ فروری
کو رات ۲ بجے تک مولانا نیازی کسی بھی معاہدے سے
انکار فرماتے رہے، ۱۴ فروری تک الوری صاحب
بھی انتخاب سے دستبرداری کو نظام مصطفیٰ سے غداری
قرار دیتے رہے ۱۳ فروری کو الوری صاحب نے دستبرداری
کی افواہ کی تردید کرنے کے لیے جمعیت کے پانچ رہنماؤں
کی پریس کانفرنس کی اس پر مولانا نیازی نے یکطرفہ
طور پر ان رہنماؤں کی رکنیت ختم کروا دی جبکہ جمعیت
کے دستور کے مطابق کسی بھی صوبائی عہدیدار کی رکنیت
تو کیا صوبائی صدر بھی معطل نہیں کر سکتے مولانا نیازی
نے خود بیان دیا کہ انہوں نے آئی جے آئی سے سودے
بازی کی ہے اس پر جمعیت کے ان رہنماؤں نے بھی نیازی
صاحب کو سودے بازی کا الزام دیا۔ ۱۸ فروری کو
جمعیت کے مذکورہ پانچ رہنماؤں صاحبزادہ محمد اکرم شاہ
صاحبزادہ محمد محفوظ مشہدی، علامہ سید شبیر احمد ہاشمی
سردار محمد خان لغاری اور الحاج جاوید اقبال کے نام
سے ایک بیان چھپا جس میں کہا گیا کہ وہ "بڈھا گروپ"
کو نکال دیں گے اس کی تردید ان رہنماؤں نے ۱۹ فروری
کے اخبارات میں کر دی، میں نے اس سلسلے میں
علامہ سید شبیر احمد ہاشمی سے رابطہ کیا تو انہوں نے
صاف کہا کہ یہ بیان کسی ابلیس زادے نے سازش کے
لیے ان کے نام سے دیا ہے اس پر نہ ہم نے دستخط کیے
ہیں اور نہ ہم نے بیان دیا ہے نیازی صاحب کے حامیوں
نے آتشیں اسلحے سے دفتر پر قبضہ کر لیا۔ ۲۰ فروری
کو مولانا نیازی نے جنرل انصاری کے نام نہاد استعفیٰ
کا اعلان کیا حالانکہ جنرل انصاری اس کی مسلسل تردید
کر رہے ہیں ۲۴ فروری کو مولانا نیازی نے خادمین کے
نام سے ایک فرضی کنونشن منعقد کیا جس میں اہل حدیث
مکتب فکر کے دو علماء مولانا عطاء الرحمٰن اور مولانا
عنایت اللہ (کاہنہ نو) نے شرکت کی جس کی ابتک
مولانا نیازی تردید نہیں کر سکے اس طرح جمعیت کی
۲۰ سالہ رفاقت میں مولانا نورانی اور مولانا نیازی
میں جدائی ڈال دی گئی اس کا کریڈٹ ہر حال میں
میاں نواز شریف اور جماعت اسلامی کو جاتا ہے۔
اس طرح بیس سال کی یہ مسلسل کہانی جمعیت کے خلاف
جماعت اسلامی کی گھناؤنی سازش کا نتیجہ ہے۔

بقیہ: بھاگلپور کا قتل عام

[illegible] کی دوکان تھی اور سامنے میں جوتے کا کارخانہ تھا
[illegible] یہ دکان شاہ گنج بازار میں مسجد کے نیچے تھی
[illegible] دکان کی کڑی سک۔ ان ٹوٹو، بھی مسلمان کی تھی جو
[illegible] والا تھا بالکل لوٹ کر اور جلا کر خاک کر دیں
[illegible] دوکانیں جل گئیں لیکن تعجب ہے کہ اغل بغل والی
[illegible] دوکانیں محفوظ رہیں۔ محلہ بڑہ پورہ کے شمال میں
[illegible] قریب قریب سب ہی مسلمانوں کی دوکانیں نذر
[illegible] ہندوؤں کی دوکانیں بچی رہیں۔ حکومت نے
[illegible] کا اخبار اور ٹی وی میں اعلان کیا [illegible]
[illegible] دیا۔ ایک دوکان محمد شمیم کا جیل روڈ
[illegible] ٹریڈنگ ایجنسی تھی، پینٹ وغیرہ کی
[illegible] گری کا کام بھی ہوتا تھا جس
[illegible] سامان تھا سب کا سب لوٹ لیا۔ دوکان
[illegible] حکومت [illegible] کیا۔ کتنا ظلم ہندو [illegible]
[illegible]

میں دسمبر کے شروع میں ۱۹ لاشیں نکلیں جو سب کی سب
مسلمانوں کی تھیں اس کے بعد ۸ دسمبر کو جگدیش پور پولیس
اسٹیشن میں نو گاؤں میں ۷۰ انسانی ڈھانچے ملے جو ملا کر
اس گاؤں میں مرنے والوں کی تعداد ۱۱۵ تک پہونچی۔ یہ
واردات ۲۷ اکتوبر کو ہوئی آئی پر وہ قبل تک رپورٹ نہ
ہو پایا۔ اس گاؤں میں قریب ۲۳ گھر ایک ہی خاندان پر
مشتمل تھے سب کے سب بچے۔ جوان اور عورتوں کی لاشوں
کو گاؤں کے کنویں میں پھینک دیا اور کچھ کو جلتی آگ اور
تالاب میں اس طرح وہاں ظلم کیا گیا اور حکومت کانگریس
دیکھتی رہی شیخ سہیل وہاں کا باشندہ جو کہ رودیر میں
پناہ لی اس کا کہنا ہے کہ میری فیملی کے ۱۱ آدمی جس میں اس
کی بیوی، ماں، تین لڑکے اور بھائی بھی اسی دن مرے۔ یہ
بلوائی بیراگڑھ، داموچک بہارا، بالاچن لگاما اور ملکی
گاؤں سے آئے تھے۔ جگدیش پور پولیس اسٹیشن کے اے
ایس۔ آئی رام چندر نے دفوع کے دو دن قبل گاؤں
آکر اس کا معائنہ کیا اور کہا کہ کوئی بھی اس گاؤں سے
نہ بھاگے کوئی بھی نقصان یہاں ہونے والا نہیں ہے
اور یہ چندرا مجھے اے ایس آئی کا ہی پلان تھا جو اس وقت
تھانہ میں انچارج تھا۔ کچھ عرصہ بعد جمعیت العلماء
جماعت اسلامی اور امارت شرعیہ نے مل کر سبھی علاقے
کا دورہ کر کے ایک لسٹ بنائی بھاگلپور کے مختلف
علاقوں کا جس میں ۶۰۰ مرنے والوں کے نام بھی موجود ہیں
اجون پولیس اسٹیشن کے قریب ۵ اگاؤں میں قریب ۱۶۰
آدمی مارے گئے۔ جگدیش پور پولیس اسٹیشن کے مختلف گاؤں
میں قریب ۱۳۰ اور ناتھ نگر علاقے میں ۷۰ مارے گئے اس
کے علاوہ کہلگاؤں، مجاہد پور، صاحب گنج، بانکا، سلطان
گنج پی۔ ایس میں بے شمار لوگ موت کے گھاٹ اتارے
گئے۔ اجون۔ پی۔ ایس۔ میں رسول پور (۲۷) برگھری (۲۰)
چکبیر (۱۷) کبھا (۱۲) مکرلوہی (۹) نادوا بازار (۱۰) چک
زہرہ (۲۲) پاروہری (۱۹) ملیٹے (۶) کمار کارامن (۵)
کیزی (۶) گوپال پور (۲) اور چکمونیا (۳) اس کے
علاوہ بے شمار جس کا کچھ معلوم نہ ہو سکا یہ تھا کانگریس
یعنی راجیو گاندھی جو اس وقت برسراقتدار تھی جو خون
کی ہولی کھلانے میں ذمہ دار ہے۔

جگر گوشہ رسول ؐ خاتون جنت
حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

فاطمہ (رضی اللہ تعالےٰ عنہا) میرے بدن کا ایک ٹکڑا ہیں (حدیث رسول ؐ)

حضرت جگر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اشرف المخلوقین سیدۃ النساء العالمین سیدہ فاطمہ الزہراء البتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت میں متعدد روایات ملتی ہیں۔ مگر زیادہ تر کا اجماع اس پر ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت فرمانے سے پانچ سال قبل ہوئی حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت سیدہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی سب سے آخری اولاد ہیں آپ کا نام مبارک فاطمہ (رضی اللہ عنہا) رکھا گیا جس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی درج ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے آپ کو دوزخ سے منقطع فرمادیا ہے۔

آپ کا لقب شریف زہراء اور بتول ہے۔ زہراء کا سبب تسمیہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کی ذات مطہرہ کو حق تعالیٰ عزوجل نے مثل دیگر عورتوں کے ایام معمولی حیض و نفاس سے پاک فرمایا تھا اور بتول کا سبب تسمیہ یہ ہے کہ بتول کے معنی ہیں منقطع۔ یعنی آپ اپنی فضیلت دین اور نسب و افضلیت میں بے مثل ہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عورتوں میں کوئی ہمسر نہیں اس لئے اپنی رفعت مقامی میں تمام عورتوں سے منقطع ہیں کسی کو آپ رضی اللہ عنہا کے مقام کی دسترس ہی نہیں۔

امام بخاری و مسلم شریف حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم سب ازواج مطہرات (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے قریب) خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہوئیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک ان پر پڑی تو فرمایا مرحبا ہو میری بیٹی کے لئے پھر اپنے بازو پر ان کو بٹھایا اور کان میں کچھ سرگوشی فرمائی تو سیدہ رونے لگیں۔ جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ غم ملاحظہ فرمایا تو پھر دوبارہ ان سے سرگوشی فرمائی پس اب وہ ہنسنے لگیں۔ جب وہ خدمت اقدس سے اٹھیں تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا سرگوشی فرمائی؟ تو فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشاں نہیں کرسکتی۔ پھر جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے ظاہری پردہ فرمالیا تو میں نے ان سے کہا کہ میں اس حق کی قسم آپ کو دیتی ہوں جو کہ میرا آپ پر ہے

اقبال احمد اختر القادری

(یعنی بوجہ ام المومنین ہونے کے) مجھے بتائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کیا سرگوشی فرمائی تھی انہوں نے فرمایا کہ ہاں اب البتہ بتاؤں گی۔ پہلی بار سرگوشی میں مجھ سے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر سال مجھ سے قرآن کا دور ایک بار کیا کرتے تھے اس بار انہوں نے مجھ سے دوبارہ دور قرآن کیا ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ یہ میری قرب رحلت کی علامت ہے۔ پس تم اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا میں تمہارے لئے بہتر پیش رو ہوں۔ یہ سن کر میں رونے لگی۔ جب میرا یہ حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا تو دوبارہ مجھ سے سرگوشی کی اور فرمایا کہ اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کیا تم اس سے خوش نہیں کہ تم تمام جنت کی بیبیوں کی سردار ہو۔

نیز امام بخاری و مسلم شریف حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ تحقیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میرے بدن کا ایک ٹکڑا ہیں جس نے ان کو ناراض کیا اس نے مجھ کو ناراض کیا۔ اور جس نے ان کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی۔ (صحیح بخاری شریف، مسلم شریف)

حضرت امام نسائی روایت کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری بیٹی حور ہیں بشکل آدمی نہ ان کو حیض آتا ہے نہ ان کے ایام نفاس مقرر ہیں جو زچگی میں ہوتے ہیں۔

(سنن نسائی شریف بحوالہ فضائل اہل بیت)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو ایک ہی میدان میں جمع فرمائے گا تو عرش مجید کے اندر سے ایک آواز گونجے گی جلیل جل جلالہ فرماتا ہے کہ اے محشر والو سب اپنے سر نیچے کرلو اور سب اپنی آنکھیں بند کرلو پس تحقیق فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پل صراط سے گزرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ یہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیاء کا وہ مقام اکمل ہے کہ جس کے رتبہ کو حق تعالیٰ محشر میں تمام اولین و آخرین پر ظاہر فرمائے گا۔

حضرت سیدہ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی

حضرت سیدنا علی مرتضےٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ سے ماہ رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری میں ہوئی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کچھ ملبوس مبارک، ایک گدا چمڑے کا جس میں کھجور کی لیف بھری تھی اور بالوں کی ایک بساط، ایک دنبہ کی کھال دباغت شدہ، ایک کمبل، دو پانی کی کنالیں، ایک چارپائی جو کھجور کے بان سے بنی تھی۔ ایک مشکیزہ، دودھ دہی کے لئے لکڑی کا ایک پیالہ اور ایک چکی جہیز میں دی گئی۔ یہ ہے سامان حضرت سیدۃ النساء العالمین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جہیز کہ جن سے افضل و بہتر کوئی بی بی

اللہ تعالیٰ عزوجل نے پیدا نہیں کیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی میں شریک تھے۔ اس سے بہتر شادی میں نے نہیں دیکھی۔ تمام گھر خوشبو سے معطر تھا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے واسطے منقیٰ اور کھجور مہیا فرمائے تھے۔ ولیمہ کی دعوت کے لئے اونٹ ذبح کرایا گیا اور اس کے گوشت سے شوربہ بنایا گیا۔ روٹی اس کے شوربے میں روٹی چوری گئی اور عام دعوت مدینہ طیبہ والوں کو دی گئی اور اس طرح یہ تقریب سرانجام پائی۔

امام احمد حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ ایک روز ان کو نماز فجر میں دیر ہو گئی جب حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج تم نے کہاں دیر کی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں سیدہ مطہرہ (رضی اللہ عنہا) کے در دولت سے گزر رہا تھا کہ بچے نے صاحبزادے کے رونے کی آواز سنی اور خود حضرت سیدہ (رضی اللہ عنہا) چکی پیسنے میں مصروف تھیں۔ مجھ سے ضبط نہ ہوا میں نے بڑھ کر عرض کیا کہ آپ اجازت دیں تو چکی پیسنے کی خدمت انجام دوں اور چاہیں تو میں صاحبزادے کو بہلاؤں۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھے اپنے فرزند پر تم سے زیادہ شفقت رکھتی ہوں اس گفتگو نے مجھ کو دیر کرا دی۔

جس روز کہ سانحۂ اعظم (حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے پردہ فرمالینا) سے تمام مدینہ طیبہ شریف رنج و غم سے سیاہ ہو گیا تھا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تدفین جسم اطہر سے فارغ ہوئے تو آپ کے در دولت پر واسطے تعزیت کے لئے حاضر ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ (خادم خاص بارگاہ رسالتؐ) کو مخاطب کر کے نہایت درد بھری آواز میں فرمایا کہ "اے انس (رضی اللہ عنہ) کیا تمہارے دلوں کو اس سے قرار آ گیا کہ تم نے حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو مٹی میں چھپا دیا۔" یہ کلمات ایسے پُر اثر تھے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو سن کر زار و قطار رونے لگے اور سب پر از سر نو ماتم تازہ ہو گیا سب کے جانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہا قبر انور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئیں اور نڈھال ہو کر دیر تک گریہ فرماتی رہیں پھر ایک مشت خاک پاک اٹھا کر اپنی آنکھوں پر ملی اور چہرہ انور سے ملی بھی فرمایا۔

"جس نے حضور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت پاک سونگھ لی وہ اگر تمام عمر بہترین خوشبوئیں نہ سونگھے تو اس کو کچھ پرواہ نہیں اس وقت مجھ پر وہ مصیبتیں ٹوٹ پڑی ہیں کہ اگر روز روشن پر ڈھٹیں تو وہ بھی اندھیری راتیں ہو جاتے۔" (فضائل صحابہ و اہل بیت)

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی فرمانا حضرت سیدہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کا مذکور ہے اس میں بعض روایات میں کلمات بھی موجود ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو یہ بھی فرمایا کہ میرے گھر والوں میں تم سب سے اوّل مجھ سے آ ملو گی۔ چنانچہ یہی کلام حق پورا ہوا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے تقریباً چھ ماہ بعد حضرت خاتون جنت سیّدہ مطہرہ رضی اللہ عنہا بھی اس عالم سے پردہ فرما گئیں۔

سیدہ زاہدہ سیدہ طاہرہ
یعنی خاتونِ جنت پہ لاکھوں سلام

بقیہ: حکومت نام کی کوئی چیز نہیں

سے کسی کو روس نے ویٹو نہیں کیا۔ ۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۷ء تک پاکستان نے مسئلہ کشمیر کو سیکورٹی کونسل میں نہیں اٹھایا یہ اس وقت کے حکمرانوں کی نااہلی کا ثبوت ہے۔

۱۹۶۴ء میں نہرو نے اپنی موت سے پیشتر اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے شیخ عبداللہ کو جیل سے رہا کیا۔ انہیں پاکستان بھیجا مگر نہرو کی اچانک موت سے یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ ۱۹۶۵ء میں کشمیر کے مسئلہ پر پاک بھارت جنگ ہوئی مگر تاشقند کی میز پر جیتی ہوئی بازی کو ہار دیا گیا۔ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۱ء تک کشمیر کے مسئلہ پر بھارت کو روس کی غیر مشروط حمایت رہی اور روسی ویٹو نے سیکورٹی کونسل کو بے اثر کر کے رکھ دیا اور ۱۹۷۲ء کے شملہ معاہدہ نے فائر بندی لائن کو کنٹرول لائن میں بدل دیا۔

فی الوقت کشمیر جنوبی ایشیا کا ایک غیر معمولی عالمی تنازع ہے لیکن بھارت کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ مسئلہ اب تک حل نہ ہو سکا۔ ہندوستان جو اپنے آپ کو جمہوریت کا بہت بڑا چیمپین کہتا ہے آخر کیوں کشمیریوں کو حق خود ارادیت دینے سے گریز کر رہا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس نے کشمیر پر مکر و فریب کے ذریعہ قبضہ کیا ہے اگر جمہوری تقاضے پورے کئے جائیں گے تو پھر کشمیر سے ہندوستان کو ہاتھ دھونا پڑ گیا۔

۱۹۷۱ء میں انسانی ہمدردی کے بھیس میں پاکستان کے دو ٹکڑے کرنے کے لئے ہندوستان نے مشرقی پاکستان میں اپنی فوجیں اتار دیں اور آج تک اس بات پر نازاں ہے کہ دو نوں نظریہ کو بحیرہ عرب میں غرق کر دیا گیا۔ ہندوستان کی جنتا خود اس بات کا فیصلہ کر لے کہ ہندوستانی حکومت کی یہ دوغلی پالیسی کیوں ہے اگر ہندوستان کی جنتا کو اس بات پر فخر ہے کہ وہ دنیا میں جمہوریت کے سب سے بڑے علمبردار ہیں تو وہ پھر کشمیریوں کی ایک چھوٹی سی "مانگ" یعنی استصواب رائے کا حق کیوں نہیں تسلیم کر لیتے اس سے ہندوستانی حکومت کا بھرم بھی رہ جائے گا اور عالم انسانیت میں ان کا وقار بھی دوچند ہو جائے گا کہ ہندوستان کی سرکار حقیقتوں کو تسلیم کرنے سے گریز نہیں کرتی اور وہ اس حقیقت کی بنیاد پر سیاسی فیصلے ہوا کرتے ہیں۔

پاکستان میں ہونے والے چار پانچ برسوں کے لسانی فسادات سے کشمیر کے کاز کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے بھارتی حکومت کشمیریوں کو یہ باور کرانے میں مصروف ہے کہ پاکستان میں پنجابی پٹھان، بلوچ، سندھی اور مہاجر آپس میں لڑ رہے ہیں مہاجروں کو ابھی تک حقوق نہیں ملے ہیں تو کشمیریوں کو کیا حق ملے گا؟ ان کا مشورہ ہے کہ کشمیری اپنے آزادی کی رائے اب بھی تبدیل کر دیں، کراچی اور حیدرآباد کے ہنگامے کشمیر کی جدوجہد آزادی کو سبوتاژ کر سکتے ہیں اس کا سوچنا اور اس پر عمل کرنا لسانی تنظیموں کے ان قائدین کا کام ہے جنہوں نے عصبیت کے نام پر نفرتیں پھیلائی ہیں اور اقوام عالم میں پاکستان کو رسوا اور بدنام کیا ہے اور ہندوستان کو پاکستان کے خلاف دنیا بھر میں پروپیگنڈہ کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔

ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

عالم دین نے درود پاک کو دیوار سے ہٹا دیا

صوبہ سرحد کے دارالحکومت پشاور شہر کے دل بازار قصہ خوانی میں واقع جامع مسجد کرم شاہ کی دیوار پر نمایاں طور پر اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ عرصہ چالیس سال سے لکھا ہوا تھا۔ یہ مسجد اوقاف کی تحویل میں ہے۔ اس کا پیش امام مولوی امین دیوبندی ہے۔ گزشتہ دنوں اس نے مسجد سے مذکورہ درود شریف مٹا دیا۔

مولوی امین دیوبندی کی اس گھناؤنی حرکت پر پشاور میں سخت اضطراب و بے چینی پھیل گئی۔ عوام سنی مسلمانوں کے جذبات ابھرے۔ جب یہ بات اہلسنت کے بزرگوں تک پہنچ گئی تو انہوں نے ایک ہنگامی اجلاس ۷ مارچ کو حویلی دیوان صاحب چوک شادی پیر کریمپورہ میں منعقد ہوا۔ جس کی صدارت حضرت دیوان سید آل مجتبٰی علی خان نے کی جس میں سیکڑوں افراد نے شرکت کی۔ یہ ہنگامی اجلاس جامع مسجد کرم شاہ قصہ خوانی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کے ہٹانے اور حضور کے اسم مبارک کی توہین کے خلاف بلایا گیا تھا۔ اجلاس سے متعدد علماء کرام اور دانشوروں نے خطاب کیا اور توہین رسالت پر سخت غم و غصہ کا اظہار کیا۔ فضا اللہ اکبر اور یارسول اللہ کے نعروں سے گونج اٹھی۔

مقررین نے صوبائی حکومت سے بالعموم اور مقامی انتظامیہ اور محکمۂ اوقاف سے بالخصوص مطالبہ کیا کہ مذکورہ مسجد پر دوبارہ "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" لکھا جائے۔ توہین رسالت کے جرم میں مسجد کے پیش امام محمد امین او دیگر ملوث افراد کو گرفتار کر کے سخت سزا دی جائے۔ اسم مبارک کی توہین پر مذکورہ پیش امام مرتد ہو گیا ہے اور اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ مذکورہ امام کو اوقاف اور دیگر سرکاری ملازمتوں سے فوراً برطرف کیا جائے۔ اجلاس میں شریک تمام مسلمانوں نے اس سلسلے میں ہر قسم کی قربانی دینے کا عہد کرتے ہوئے کہا۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک نام پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔

ناموس رسالتؐ کے جانثاروں کی حالیہ قیادت ادارہ تبلیغ الاسلام پشاور کے صدر اور سالار و زیر صحت آغا سید ظفر علی شاہ، جامعہ غوثیہ پشاور کے مہتمم و شیخ الحدیث مولانا پیر محمد چشتی، مشہور سیاسی و سماجی کارکن عبدالرؤف بیتاب، قاری محمد اسحٰق، حاجی شیر احمد، آغا سید ذوالفقار علی شاہ، انجمن غوثیہ پشاور سٹی کے سیکریٹری جنرل محمد نواز صدیقی، محمد اعجاز احمد نوری، شیر نادشاہ کر رہے تھے۔ علماء کرام میں مولانا نظام الدین، مولانا زاہد اقبال قادری، مولانا سید خورشید احمد شاہد القادری، مولانا عبدالمجید افغانی، مولانا حبیب اللہ، مولانا کلیم اللہ، مولانا ابوذر چشتی اور نعت خوان جہانزیب کے علاوہ سیکڑوں عاشقان مصطفٰےؐ بھی پیش پیش تھے۔

رلپورٹ: سید خورشید احمد شاہد القادری۔

پہلے اجلاس میں اعلان کیا گیا تھا کہ پھر اسی وقت یہاں دوسرا اجلاس ہوگا اس لئے کہ جن مسلمانوں کو اس واقعہ کا علم نہیں ان کو بھی یہاں لائیں چنانچہ دوسرے روز ۱۰ مارچ کو حویلی دیوان صاحب میں حضرت دیوان سید آل مجتبٰی علی خان معینی اجمیری کی صدارت میں اجلاس ہوا جس سے مولانا پیر محمد چشتی نے نہایت ولولہ انگیز ایمان افروز خطاب کیا۔ عوام کو واقعہ کی صحیح تفصیلات بتائیں اور یارسول اللہ کی شرعی حیثیت بھی سمجھائی۔ ان کے خطاب کے چند جملے نذر قارئین ہیں

مساجد میں ایک طرف یا اللہ اور دوسری جانب یارسول اللہ لکھا مسلمانوں کا پہلے سے عقیدہ چلا آرہا ہے۔ اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا اور اسی عقیدہ کی بنیاد پر مسجد کرم شاہ میں ۴۰ سال پہلے سے یہ لکھا گیا ہے۔ اللہ کی پہچان کا اصل واسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ ابوجہل اللہ کی الوہیت کا قائل تھا لیکن حضورؐ کی ذات سے انکار کرنے پر کافر قرار دیا گیا۔ اسی طرح منافقین بھی بظاہر نماز پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے، جہادوں میں شریک ہوتے تھے، حج پر جاتے تھے لیکن حضور کی تعظیم و احترام ان کے دل میں نہ تھا اس وجہ سے ان کے نہ اعمال بے کار تھے اور ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے۔

مسجد کرم شاہ سے یارسول اللہ کو ہتھوڑوں وغیرہ سے مٹانا مسلمان کا کام نہیں تھا۔ بے شک کفر و ارتداد کا کھلا فعل تھا۔ حضور کے نام کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے صرف وقت یا کاغذ کی بچت کی خاطر "صلعم" لکھنے پر علماء نے کاتب کا ہاتھ کاٹنے کا فتویٰ دیا تھا جس پر عملدرآمد ہوا تھا۔ درود شریف مٹانا مشرکین کا کام ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا "اے اللہ کے رسولؐ میں آپ کا نام قیامت تک نہیں مٹاؤں گا۔

ادارہ تبلیغ الاسلام کے صدر اور سالار و زیر صحت آغا سید ظفر علی شاہ نے کہا مسجد کرم شاہ سے اسم مبارک مٹانے والا ایک قادیانی ہے جو اسی مسجد کا پیش امام ہے جو مرتد ہے۔ سید ظفر علی شاہ نے کل کے لئے جلوس نکالنے اور مسجد پر دوبارہ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ لکھنے کا اعلان کیا اور کہا خواہ لاٹھی چارج ہو جائے، آنسو گیس چلے جو بھی ہو ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے اور منزل تک پہنچیں گے۔

ان کے اعلان کے مطابق ۱۹ مارچ کو ۲ بجے دوپہر حویلی دیوان صاحب سے سنی مسلمانوں کا اور جانثاران ناموس مصطفٰےؐ کا عظیم الشان جلوس نکلا جو بازار کریمپورہ، گھنٹہ گھر، چوک یادگار، بزازان، چیل منڈی، سیگران قصہ خوانی سے ہوتا ہوا مسجد تک پہنچ گیا۔ جلوس نے کابلی گیٹ میں جلسہ کی شکل اختیار کرلی۔ انتظامیہ کی زیر نگرانی مذکورہ مسجد پر دوبارہ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ لکھا گیا۔ سید ظفر علی شاہ نے صوبائی حکومت اور مقامی انتظامیہ کا شکریہ ادا کیا جن کے تعاون سے یہ کام بخیر و خوبی اور اس کے ساتھ انجام پذیر ہوا۔ تمام مسلمانوں میں صلوٰۃ وسلام کے دوبارہ لکھنے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ اب مسجد سے مذکورہ پیش امام کو نکالنے کے لئے کوششیں جاری ہیں۔ امید ہے کہ اس میں بھی ہم کامیابی حاصل کریں گے۔ اللہ و رسولؐ ہمارے حامی و ناصر ہوں۔ آمین!

اسلام آباد

اکرام الحق قریشی

آزاد کشمیر میں عام انتخابات

عام انتخابات میں برادریوں کے تعصب پر مبنی بتوں نے فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے

آزاد ریاست جموں وکشمیر میں جماعتی بنیادوں پر عام انتخابات ۲۱ رمئی کو ہو رہے ہیں جس کے لئے ۱۹۸۵ء کی حلقہ بندیوں کو برقرار رکھا گیا ہے، انتخابات میں حکمران جماعت مسلم کانفرنس کے علاوہ تحریک عمل پارٹی، آزاد مسلم کانفرنس، جمعیت علماء جموں وکشمیر، پیپلز پارٹی کشمیر اسٹوڈینٹس فیڈریشن، محاذ رائے شماری نے بھرپور شرکت کا اعلان کر دیا ہے جبکہ جماعت اسلامی تحریک استقلال اور کشمیر فریڈم قومی محاذ آزادی اور جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ نے انتخابات میں شرکت سے معذوری ظاہر کر رکھی ہے تاہم واقفان حال حلقوں کے مطابق آخر الذکر کے علاوہ باقی تمام جماعتیں آزاد ریاست میں محض رسمی سی حیثیت کی حامل ہیں، ان کی تو کہیں تنظیمیں اپنا وجود رکھتی ہیں اور نہ ہی انہیں کوئی امیدوار دستیاب ہے جمعیت علماء اسلام بھی گومگو صورتحال سے دوچار ہے وہ میدان انتخاب میں لنگر کس کر کودنے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی ہے

آزاد کشمیر کی دینی جماعتوں میں جمعیت علماء جموں و کشمیر، آزاد کشمیر کے عوام کی واحد نمائندہ جماعت ہے جو وہاں کے عوام اہلسنت کی بھرپور نمائندگی کی حقیقی دعویدار ہے اور اسکی کارکردگی کا سہرا بھی بلاشبہ آزاد کشمیر کے انتہائی قابل احترام سجادہ نشین دربار عالیہ ڈھانگری شریف صاحبزادہ محمد عتیق الرحمٰن کے سر ہے جنہوں نے انتہائی کم مدت میں انتھک محنت کے ذریعے جمعیت کے پیغام کو کشمیر کے دور دراز و دشوار گذار پہاڑوں میں گھری وادیوں تک پہنچایا اور یہی وجہ ہے کہ آج میدان انتخابات میں یہ جماعت پورے عزم و استقلال کے ساتھ موجود ہے اور کئی اطراف سے دیگر جماعتیں اسے اپنے حلیف کے طور پر اپنانے کے لیے بے چین ہیں یہ جماعت بلاشبہ انتخابات میں اپنا وزن جس پلڑے میں ڈال دے کامیابی اسی کا مقدر سمجھی جاتی ہے جبکہ دیگر جماعتوں میں مسلم کانفرنس تحریک عمل پارٹی اور آزاد مسلم کانفرنس ایسی مستند جماعتیں ہیں جنہیں آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی میں نمائندگی کا اعزاز حاصل ہے، پیپلز پارٹی فی الحال مسلم کانفرنس کے باغیوں کے سبب ہی پارلیمانی جماعت قرار دی جا سکتی ہے مگر اس کے باوجود اس حقیقت سے بھی انکار قطعی طور پر ممکن نہیں کہ مسلم کانفرنس آزاد خطے کی ایک بڑی پارلیمانی جماعت ہے جو بلدیاتی اداروں سے لے کر ایوان مظفر آباد تک اپنا ایک حجم رکھتی ہے جبکہ دیگر جماعتیں اس اعتبار سے خاصی حد تک "چھوٹی" دکھائی دیتی ہیں۔

تاہم انتخابات میں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہاں امیدواروں کی کامیابی کا دارومدار ان کے ذاتی اثر و رسوخ اور برادری پر بھی ہے اور کشمیر کے انتخابات میں برادریوں کے تعصبات پر مبنی "بتوں" نے ہمیشہ فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ برادری ازم امیدوار کی جماعتی وفاداری اور اہلیت پر ہمیشہ حاوی رہا ہے۔

آزاد کشمیر کی مجموعی سیاست پر کوئی بھی مکمل اجارہ داری کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور غالباً یہی بات ہے کہ انتخابات کی تاریخ کا اعلان ہوتے ہی یہاں کی جماعتیں "انتخابی اتحاد" قائم کرنے کے لئے بغلیں جھانک رہی ہیں یہاں تک کہ فروری کے اوائل تک صدر آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم بھی اسلام آباد کے حکمرانوں سے تعلقات کی استواری کو قابل اعتماد تک آگے بڑھانے کے لئے پیپلز پارٹی آزاد کشمیر سے انتخابی اتحاد کے خواہاں تھے مگر پیپلز پارٹی کی معاون وزارت امور کشمیر نے صدر آزاد کشمیر کے دل کا چور بروقت گرفت میں لے کر ان کی خواہشات کا یوں قتل عام کیا کہ وزارت کشمیر نے مسلم کانفرنس کی صفوں میں نقب زنی کی کامیاب وارداتیں کیں اور آزاد کشمیر کی حکمران جماعت اپنی ایک وزیر شیریں وحید سمیت کئی وفادار عہدیداروں کی حمایت سے یکسر محروم کر دی گئی، مسلم کانفرنس کے ناخدا، وزارت کشمیر کی اس اچانک کارروائی پر اس قدر سیخ پا ہیں کہ انہوں نے اپنی توپوں کا رخ جگ موہن کی بجائے ایک مرتبہ پھر اسلام آباد کے حکمرانوں کی جانب موڑ کر دھواں دھار بیانات کا سلسلہ شروع کر دیا ہے، دوسری جانب کشمیر کی دوسری بڑی پارلیمانی جماعت تحریک عمل بھی پیپلز پارٹی آزاد کشمیر اور وزارت امور کشمیر سے الرجک ہے اور اسے بھی یہ شکوہ ہے کہ وزارت کشمیر ایک منصوبہ بندی کے تحت کشمیر کی فعال سیاسی جماعتوں کو کمزور کر رہی ہے آزاد مسلم کانفرنس بھی پیپلز پارٹی سے اتحاد کرنے میں بڑی محتاط دکھائی دیتی ہے تو پیپلز پارٹی آزاد کشمیر اور لبریشن لیگ کے مابین نوزائیدہ شیر خوار اتحاد کے جنم کے فوری بعد انتشار اور ٹوٹ پھوٹ کے عمل کا شکار ہو گیا۔

لبریشن لیگ کی مجلس عاملہ نے پیپلز پارٹی سے انتخابی اتحاد کی توثیق کرنے سے انکار کر دیا ہے آزاد کشمیر کی انتخابی فضا میں یہ بات بھی خارج از دلچسپی نہیں کہ آزاد کشمیر کی بیشتر جماعتیں جہاں ایک طرف پیپلز پارٹی سے شاکی ہیں تو دوسری طرف یہی جماعتیں حکمران جماعت مسلم کانفرنس کی تاریخ ساز بدعہدیوں کی بدولت اس جانب بھی معنی خیز نظروں سے دیکھ کر محتاط فیصلے کرنے کے مرض میں مبتلا ہیں، مسلم کانفرنس حکومت پر اپنی اجارہ داری کے دوام کیلئے دیگر جماعتوں کو محض جاریہ کے طور پر شریک سفر کرنا چاہتی ہے اس کی کوشش یہ ہے کہ دیگر جماعتوں کو دو دو نشستیں دے کر آزاد کشمیر کے انتخابی عمل پر "دھوبی پٹڑا" مار کر پیپلز پارٹی کے عزائم کو ناکام بنا کر اقتدار پر قابض رہا جائے تاہم اگر مسلم کانفرنس، تحریک عمل اور جمعیت علماء جموں و کشمیر نے انتخابی اتحاد قائم کر لیا تو انہیں کوئی دوسری سیاسی قوت اقتدار میں آنے سے نہ روک سکے گی مگر یہ اتحاد بھی کیسے اور کب معرض وجود میں آئے گا۔ اس کے لیے ہمیں مزید چند دن انتظار کی گھڑیوں کے کرب سے گزرنا ہو گا۔

محمد حسین قریشی

حیدرآباد میں

خانہ جنگی کی کیفیت نظر آرہی ھے

جن سے بخت قائم کو جساء وحشم
ان ہی ہاتھوں سے چھین بھی لیں گے
جن کو پھیکوا دیا تھا کہہ کر سنگ
ہم وہ گوھر تلاش کر لیں گے

حیدرآباد کے حالات دن بدن خراب ہوتے چلے جا رہے ہیں، کوئی ایسی صورت نظر نہیں آتی، جس سے یہ امید لگالیں کہ آئندہ حالات درست ہو جائیں گے. حالات کو درست کرنے کے لیے دو بڑے ذرائع ہیں ایک تو یہ کہ حکومت وقت حالات کی درستگی کے لیے کوئی راست اقدام کرے. دوسری شکل عوام اپنے اندر بھائی چارگی کی فضا قائم کرے۔ فی الحال یہ دونوں صورتیں نظر نہیں آتیں صوبہ سندھ کے نئے وزیر اعلیٰ نامعلوم کی مصلحتوں کی بنا پر حیدرآباد میں امن وامان قائم کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے اور آئے دن کے ہنگامے اور کرفیو نے حیدرآباد میں معاشی بحران پیدا کر دیا ہے۔ متواتر کرفیو اور ہنگاموں کی وجہ سے یومیہ مزدوری کرنے والوں اور پتھارے لگانے والوں کا زندہ رہنا مشکل ہو گیا ہے۔

حیدرآباد میں حالات اس نہج کو پہنچ گئے ہیں کہ "خانہ جنگی" کی کیفیت نظر آرہی ہے سرِراہ چلتے لوگوں پر فائرنگ کرنا روز کا معمول بن گیا ہے. حیرت تو یہ ہے کہ مسلمان مساجد پر بھی فائرنگ کرنے سے نہیں ہچکچاتے فائرنگ کے دوران بسا اوقات نمازیوں نے فرش پر لیٹ کر اپنی جان بچائی۔ خواتین تعلیمی اداروں میں عصبیت کا پرچار آخر کس بات کا پیش خیمہ ہے۔ کوئی بھی شخص آکر آپ کو مار کر چلا جائے۔ آپ اس کی رپورٹ تھانہ پر درج نہیں کرا سکتے۔ عصبیت کا یہ عالم ہے کہ خود حکومت بھی اس میں ملوث ہے۔ دہشت گردوں کی بربریت کی وجہ سے روزانہ بے گناہ جانوں کا زیاں ہو رہا ہے۔ لیکن حکومت کی نظر میں جانوں کا بدلہ چند کاغذوں کے ٹکڑے ہیں۔ جو حکام بالا مرنے والوں کے ورثاء کو گھر جا کر دیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ٹی وی پر اپنی تشہیر کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔

آخر یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔ روزانہ ہی قتل وغارتگری لوٹ مار کی کیا وجوہات ہیں. اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر وہ تمام اسلامی تعلیمات ہی مفقود ہو کر رہ گئی ہیں۔ جس کا درس ہمیں اسلام دیتا ہے اور ہم سب اس کے پیرو ہونے کے دعویدار ہیں۔ ۲۵ مارچ کو دوپہر ۱۲ بجے ایک پولیس افسر نے ایک راہ گیر کو گولی مار دی۔ جب کہ وہ غریب اپنے

> عوام کا اعتماد
> حکومت
> پر سے اٹھتا
> جارھا ھے

ہوٹل کے لیے دودھ کی بالٹی سر پر اٹھائے جارہا تھا۔ گولی کمر میں لگی اور وہ سڑک پر گر گیا۔ قابل افسوس بات بات یہ تھی کہ کوئی شخص اس کے قریب جانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ یہ ہماری غیرت کو کیا ہو گیا ہے ہمارے اندر اب کوئی محمد بن قاسم نہیں جو ان مظلوموں کی دادرسی کو پہنچے۔ شہر کی موجودہ صورت حال دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ اردو بولنے والا ہے یا سندھی بولنے والا دونوں مسلمان ہیں۔ اور دونوں کا خون ہی خانہ کعبہ سے زیادہ مقدس ہے۔ لیکن حکومت وقت غفلت سمجھ میں نہیں آتی۔ حکومت سندھ کی اس غفلت کی وجہ سے اسلحہ کی نمائش اس طرح کی گئی ہے کہ شاید اس سے قبل نہ دیکھی گئی ہو، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام شہر دہشت گردوں اور شرپسندوں کے قبضہ میں ہے کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہے عوام کا اعتماد حکومت پر سے اٹھتا جا رہا ہے روزانہ کے فسادات اور اسلحوں کی نمائش اور ان کے استعمال سے لوگوں کو اس حد تک خطرہ بڑھ گیا ہے کہ جو لوگ اسلحہ دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے وہ بھی لائسنس کے لئے خواہش مند ہیں۔

حیدرآباد شہر کے دو قومی اسمبلی کے ممبر ہیں اور چار صوبائی اسمبلی کے ہنگاموں کے دوران شہر میں دور دور تک ان کا پتہ نہیں ہوتا۔ نہ جانے شہریوں کو کن کے حوالے کر کے یہ لوگ لاپتہ ہو گئے ہیں شہریوں کی چیخیں ہی کوئی دادفریاد سننے والا نہیں ہے انتخابات میں بلند و بانگ دعوے کرنے والے حقوق کے علمبردار مگر آخر کہاں ہیں عوام ان کو تلاش کر رہی ہے لیکن وہ نظر نہیں آرہے ہیں ہر شخص ایک دوسرے سے پوچھ رہا ہے کیا اسی لئے ہم نے ان کو انتخابات میں ووٹ دیئے تھے کہ شہر کا سکون غارت ہو جائے اور فسادات کے دوران منتخب نمائندے لاپتہ ہو جائیں؟

حیدرآباد کے عوام پولیس کی زیادتیوں اور چیرہ دستیوں کے سامنے اتنے بے بس ہو گئے ہیں کہ مقتول کی F.I.R بھی نہیں درج کرا سکتے نہ ہی اسپتالوں میں انہیں صحیح وقت پر طبی امداد ملتی ہے بسا اوقات طبی امداد نہ ملنے پر قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں مقامی بلدیہ نے حافظ مبارک علی شاہ اسپتال کے لئے ۱۰۰ بستروں کا اعلان کیا تھا لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف اعلان کی حد تک تھا۔

جمہوری دور میں عوامی نمائندوں کو اس لئے منتخب کیا جاتا ہے تاکہ وہ عوام کی خدمت کریں لیکن حیدرآباد کے عوام منتخب نمائندوں سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں۔

۱:۔ کیا منتخب نمائندے عوام کے معیار پر پورے اترے؟

۲:۔ کیا عوام کے حق میں اور اپنی نااہلی کی بناء پر خود استعفےٰ پیش کرنے کی جرأت کریں گے؟

۳:۔ حالات حاضرہ کے بگاڑ کا ذمہ دار کون ہے! خوف کی وجہ سے اسمبلیوں کا بائیکاٹ کس حد تک عوام کے مفاد میں ہے۔

ایم کیو ایم حیدرآباد کی بلدیہ اعلیٰ کے کونسلرز اور ایم کیو ایم حیدرآباد کے دونوں قومی اسمبلی کے ممبرز و ایم کیو ایم حیدرآباد کے چاروں صوبائی اسمبلی کے ممبرز سے عوام سوال کرتے ہیں کہ آپ نے حیدرآباد کے شہریوں کو کن کے حوالے کیا!

••

محمد ذوالقرنین سکندر

پروفیسر فیروز شاہ کے ساتھ ایک شام

بھکر میں جشنِ بہاراں

حلقۂ سخن بھکر کے زیرِ اہتمام گزشتہ دنوں ممتاز شاعر و ادیب پروفیسر محمد فیروز شاہ کے ساتھ گورنمنٹ کالج بھکر کے سبزہ زار پر ایک خوبصورت اور یادگار شام منائی گئی۔ اس رنگارنگ تقریب کی صدارت پروفیسر بشیر احمد بشیر نے کی جبکہ مہمانِ خصوصی پروفیسر محمد فیروز شاہ تھے جبکہ نظامت کے فرائض گورنمنٹ کالج بھکر کے ہونہار اور باذوق طالبعلم محمد اشرف کمال نے سنبھالے۔ تقریب کا آغاز خدائے بزرگ و برتر کی پاک کتاب کی تلاوت، حمد اور حضور ﷺ کی بارگاہ مقدس میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے کیا گیا۔

ابتدائی کلمات ادا کرتے ہوئے ناظمِ اسٹیج محمد اشرف کمال نے پروفیسر محمد فیروز شاہ کی شخصیت اور فنی ادب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ اردو ادب میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کا نام "دریچہ" اور "طلوع" جیسی معروف کتب کے خالق کی حیثیت سے ملکی سطح پر انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے کہا کہ گورنمنٹ کالج بھکر اور اہالیانِ بھکر کی خوش نصیبی ہے کہ ان جیسے عظیم تخلیق کاروں کی آمد سے یہاں کی ادبی سرگرمیوں میں جان سی پڑ گئی ہے۔

محمد امتیاز یعقوب نے کہا کہ کچھ عرصہ قبل تک ہم اخبارات، رسائل، ریڈیو اور ٹی وی کی وساطت ہی سے محمد فیروز شاہ سے ملاقات کرتے تھے اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم انہیں اپنے درمیان موجود پاتے ہیں۔

قمر عباس نے کہا کہ پروفیسر محمد فیروز شاہ نئی نسل کی تخلیقی رہنمائی نہایت حوصلہ افزا اور مشفق انداز میں کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ جہاں جاتے ہیں اپنے ہی قلم کا ہالہ بنا لیتے ہیں۔

نوجوان شاعر محمد اسلم راتب نے کہا کہ استادِ محترم پروفیسر محمد فیروز شاہ نے مجھ جیسے کتنے ہی نوجوان شاعروں کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشی ہے اور ان کی عظمت

> فیروز شاہ کی شاعری میں اسلام اور پاکستان سے محبت کا عنصر غالب ہے

کا یہی پہلو مجھے سب سے زیادہ متاثر کرتا ہے۔

"زہراب" کے مصنف ڈیرہ اسماعیل خان کے نوجوان شاعر "دیپک ہاشمی" نے اپنا مضمون پڑھتے ہوئے کہا کہ محمد فیروز شاہ منفرد لہجے کے ممتاز شاعر ہیں جن کی تخلیقی اہمیت کو بہت کم عرصہ میں بہت بڑی سطح پر بجا طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے اور اب وہ ہم نئے لکھنے والوں کے لئے چراغِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حلقۂ سخن بھکر کے صدر شکیل احمد ملک نے کہا کہ ہم آج ایک ایسی تقریب میں شریک ہیں جو ملک کے ادبی افق پر چمکتے ہوئے ایک جیتے جاگتے ستارے کے اعزاز میں منعقد کی گئی ہے۔

نوجوان افسانہ نگار بزمِ شعر و ادب میانوالی کے صدر عصمت اللہ ذکی نے فیروز شاہ کے فن اور شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ محمد فیروز شاہ تخلیقی سطح پر کمال کے حامل ہیں وہاں ادبی سرگرمیوں کے حوالے سے بھی ان کا نام فعال اہلِ قلم میں آتا ہے۔

الیف لے ترین نے کہا کہ محمد فیروز شاہ نے بہت کم عرصہ میں اپنی فنی شخصیت کو تسلیم کروا لیا ہے۔ پروفیسر سرور فاروق باجوہ نے کہا کہ محمد فیروز شاہ کی شاعری میں اسلام اور پاکستان سے محبت کا عنصر غالب حیثیت رکھتا ہے اور اس لئے میں انہیں نظریاتی شاعر سمجھتا ہوں۔

پروفیسر ملک محمد یوسف نے کہا کہ نظریۂ پاکستان سے وابستگی نے محمد فیروز شاہ نے شاعری میں وہ نکھار پیدا کر لیا ہے جس کی بناء پر انہیں موجودہ شعراء میں انفرادیت حاصل ہو گئی ہے۔

اس کے بعد صاحبِ شام، مہمانِ خصوصی کو دعوتِ کلام دی گئی۔ اس موقع پر "پروفیسر فیروز شاہ" نے حلقۂ سخن اور حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ بھکر کے فعال نوجوانوں محمد اشرف کمال، شکیل احمد ملک، محمد اسلم راتب نے حلقۂ سخن کی صورت میں یہاں کی ادبی فضا میں ایک خوبصورت تحرک پیدا کر دیا ہے جس کے لئے یہ لوگ قابلِ تحسین ہیں۔

آخر میں صدرِ مجلس پروفیسر بشیر احمد بشیر نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ محمد فیروز شاہ جتنے اچھے انسان ہیں اتنے ہی خوبصورت شاعر بھی ہیں۔ انکی شخصیت کا تمام تر حسن ان کی شاعری میں بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔ اور یہی وہ عوامل ہیں جن کی بناء پر انہوں نے بہت جلد ملکی و غیر ملکی سطح پر اپنا مقام بنا لیا ہے۔

تقریب کے دوسرے دور میں محفلِ مشاعرہ سجائی گئی جس سے ایک مختصر انتخاب نذرِ قارئین کیا جا رہا ہے۔

پروفیسر بشیر احمد بشیر (صدرِ محفل)

عین ممکن ہے کہ ٹھنڈی چھاؤں مل جائے وہاں
چلچلاتی دھوپ کے دل میں اُترنا چاہیئے۔

پروفیسر محمد فیروز شاہ (مہمانِ خصوصی)

بھُول جانا میری ساری شاعری میرا وجود
حرف کی حُرمت پہ کٹنے والا سَر مت بھولنا

دیپک ہاشمی

شب کی تاریکیوں کا رنج نہیں
رنج یہ ہے سحر نہیں ہوتی

محمد اشرف کمال

بے نور ہو کے رہ گئی قندیلِ آرزو
پلکوں پہ مدتوں سے چراغاں نہیں ہوا

محمد اسلم راقب:

رو ٹھ کر تم سے ہم کہاں جائیں
ہر طرف ہجر کے اندھیرے ہیں

محمد امتیاز یعقوب:

زندگی کے ہر ایک موڑ پر کیوں
کرب کی سولیاں لٹک رہی ہیں

اس طرح یہ یادگار شام اپنے خوبصورت اختتام کو پہنچی۔

بہار کے دلفریب موسم کی آمد کے ساتھ ہی ملک بھر میں جشن بہاراں کا آغاز ہو چکا ہے۔ بہار کا شاندار استقبال ملک کے سب سے بڑے میلے "ہارس اینڈ کیٹل شو" (لاہور) سے کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی قریہ قریہ، شہر شہر، گاؤں گاؤں اس کے استقبال کے لئے نہایت خوبصورت اور شاندار تقریبات اور میلوں کا اہتمام کیا گیا۔

یہ میلہ تفریح کا سامان فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ دیہی ثقافت سے روشناس ہونیکا موقع بھی فراہم کرتا ہے

حسب روایات ضلع کونسل بھکر نے "میلہ جشن بہاراں" کا انعقاد کیا۔ بھکر کے جشن بہاراں کا شمار ملک کے مشہور و معروف میلوں میں ہوتا ہے۔ یہ علاقہ نیزہ بازی، کبڈی، بڑکوڈی، اونٹ و گھوڑا ناچ میں انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس علاقہ کے بہت سے اونٹ گزشتہ سال ہارس اینڈ کیٹل شو لاہور میں پورے صوبہ بھر میں اول آنے کا اعزاز بھی حاصل کر چکے ہیں۔

یوں تو یہ میلہ ہر سال نہایت جوش و خروش سے منایا جاتا ہے مگر اس بار میلہ اپنے اندر بے پناہ رنگینیاں، رعنائیاں اور دلچسپیاں سمیٹے ہوئے تھا۔ اس میلہ کی موجودہ آب و تاب نے سابقہ تمام تر روایات کو پیچھے چھوڑ دیا بلکہ یہ کہنا قطعی بے جا نہ ہوگا کہ اس دفعہ ڈسٹرکٹ کونسل کے چیئرمین اور ممبر قومی اسمبلی حاجی رشید اکبر خان نوانی، ممبران ضلع کونسل کے علاوہ خصوصاً حاجی غلام حسین چیف آفیسر ضلع کونسل کی ذاتی کوششوں اور انتھک محنت و لگن نے اس میلہ کو چار چاند لگا دیئے۔

میلہ کی کامیابی چیئرمین ضلع کونسل و ایم این اے حاجی رشید اکبر خان نوانی کی مقبولیت اور عوام دوستی کا منہ بولتا ثبوت ہے بلاشبہ اس کامیابی میں ان کے رفقاء ممبران ضلع کونسل کے علاوہ بلدیہ بھکر کے چیئرمین نذیر اللہ خان ڈھانڈلہ، ممبران بلدیہ، چیف آفیسر ضلع کونسل، چیئرمین مارکیٹ کمیٹی حاجی [illegible] خان، صوبائی وزیر لائیو اسٹاک اینڈ ڈیری ڈویلپمنٹ سعید اکبر خان نوانی، ممبر صوبائی اسمبلی ظفر اللہ خان ڈھانڈلہ اور [illegible] بہت مددگار و معاون ثابت ہوئے۔

میلہ اسٹیڈیم کو شایانِ شان طریقہ سے آراستہ کیا گیا۔ اسٹیڈیم سے باہر میلہ کی رنگینیوں میں مزید اضافہ کے لئے مختلف سرکاری محکمہ جات و صنعتی اداروں کی جانب سے اشیاء کے نمائشی اسٹال نہایت خوبصورتی سے لگائے گئے جو اپنی تمام تر خوبیوں، رعنائیوں کی وجہ سے آنے والے لوگوں کی بھرپور توجہ کا مرکز بنے رہے۔ علاوہ ازیں اشیائے خورد و نوش، ڈیکوریشن پیس، زیبائشی پھولوں کے اسٹالوں کی بہت بڑی تعداد بھی دیکھنے میں آئی۔ اس کے علاوہ اس موقع پر عوام کو تفریح مہیا کرنے کے لئے ملک کی معروف لکی ایرانی سرکس کے علاوہ موت کے کنوئیں، چڑیا گھر، موت کا گولہ اور تفریحی سامان کا بھی اہتمام کیا گیا۔

بھکر کے ہونہار مصور نذیر نجمی کے فن پاروں کی نمائش خصوصی اہمیت کی حامل تھی جس میں قومی مشاہیر، مقامی شعراء اور ممبران اسمبلی کے پورٹریٹ شامل تھے۔ اس نمائش کا اہتمام ڈی سی آفس بھکر کے میٹنگ ہال میں کیا گیا جسے عوام کی بہت بڑی تعداد نے دیکھا اور اس نوجوان اور باہمت مصور کے فن کو داد تحسین پیش کیا۔

جہاں دیگر لوگوں نے اس میلہ کی رونقیں بڑھانے میں بھرپور حصہ لیا وہاں الفنکار اکیڈمی رجسٹرڈ ضلع بھکر بھی پیش پیش رہی۔ حسب سابق الفنکار اکیڈمی نے اس مرتبہ بھی میلہ جشن بہاراں بھکر کی رعنائیوں میں اضافہ کرنے کے لئے کالونی ٹیکسٹائل ملز بھکر کے ہال میں ڈرامہ "فرعون" اسٹیج کیا جس کی ہدایات بھکر کے معروف اداکار رفعت شاہین نے دیں۔ یہ ڈرامہ تحریر بھی انہوں نے کیا تھا۔ یہ ڈرامہ مسلسل چار روز اسٹیج کیا گیا۔ اس ڈرامہ کے فنکاروں میں رفعت شاہین، پرویز اختر مقدم، منعم شاہین، نثار احمد راہی، قیوم، کمال رضا، افضال ستیہ، ایم اقبال چھینہ، افضل مغل، بلی کے علاوہ دیگر فنکار شامل ہیں۔

ڈرامہ کے مہمانان گرامی رانا محمد ایوب، نذیر اللہ خان ڈھانڈلہ (چیئرمین بلدیہ بھکر)، میاں تنویر لطیف شیخ (منیجر ٹیکسٹائل ملز بھکر) نے فنکاروں کے فن اداکاری سے متاثر ہو کر بالترتیب ۱۰۰۰، ۱۰۰۰ اور ۵۰۰ روپے بطور انعام دینے کا اعلان کیا۔ ڈرامہ کے آخری روز الفنکار اکیڈمی کے سرپرست ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر بھکر اصغر علی اسد جعفری مہمان خصوصی تھے۔ مجموعی طور پر عوام نے اس ڈرامہ کی کہانی اور کردار نگاری کو بہت سراہا اور اسے الفنکار اکیڈمی ضلع بھکر کی خوبصورت پیشکش قرار دیا۔

میلہ کا آغاز تلاوت کلام پاک اور نعت رسول مقبول ﷺ سے کیا گیا۔ بعد ازاں تقریب کے مہمان مکرم کمشنر سرگودھا ڈویژن چوہدری نذیر احمد نے قومی پرچم لہرا کر میلہ کا افتتاح کیا۔ پرچم کشائی کے بعد قومی ترانہ بجایا گیا۔ فوجی بینڈ نے مختلف دلآویز اور خوبصورت دھنیں پیش کیں۔ بعد ازاں اسکول کے بچوں کو مہمان خصوصی نے سلامی دی اور پی ٹی شو کا خوبصورت مظاہرہ کیا۔ جس پر حاضرین نے دل کھول کر داد دی۔

کمشنر سرگودھا ڈویژن نے افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ میلے ہماری دیہی ثقافت کا مظہر ہی نہیں بلکہ ایسے میلے ملکی، زرعی اور صنعتی ترقی میں اہم کردار انجام دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ میلہ نہ صرف بھکر کے شہریوں کو تفریح کا سامان فراہم کرتا ہے بلکہ اس طرح انہیں دیہی ثقافت اور اعلیٰ نسل کے صنعتی، زرعی ترقی کے ثمرات سے روشناس ہونے کا موقع بھی ملتا ہے۔ چیئرمین ضلع کونسل و ایم این اے حاجی رشید اکبر خان نوانی نے اپنے خطاب میں کہا کہ ایسے میلے زراعت اور صنعت کے انتہائی مفید ثابت ہوتے ہیں اور اس میں حصہ لینے والے افراد کو ایک دوسرے سے مستفید ہونے کے مواقع میسر آتے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر سید محمد حامد نے کہا کہ یہ میلہ صرف مویشیوں کی نمائش گاہ ہی نہیں بلکہ علاقہ کے ثقافتی مظاہرہ کا حقیقی معنوں میں عکاس بھی ہے اس کی وساطت سے ہماری صنعتی اور عملی زندگی کے مختلف مناظر یکجا ہو کر ہماری آنکھوں کے سامنے آتے ہیں جو کہ میلہ کی تفریح کا باعث بنتے ہیں۔ اختتامی تقریب میں ایس پی بھکر چوہدری سجاد احمد، ایم پی اے محمد ظفر اللہ خان ڈھانڈلہ اور محمد اکبر خان نوانی کے علاوہ صوبائی وزیر لائیو اسٹاک و ڈیری ڈویلپمنٹ پنجاب سعید اکبر خان نوانی بھی موجود تھے۔ پروگرام کے پہلے روز نیزہ بازی، سنگل ابتدائی، نمائش مویشیاں، ریچھ کے کرتب، گھوڑا و اونٹ ناچ پیش کیا گیا۔ دوسرے روز کے مہمان خصوصی رئیس بلدیہ بھکر نذیر اللہ خان ڈھانڈلہ تھے۔ اسی طرح تیسرے روز ڈی آئی جی سرگودھا شیخ احمد نسیم مہمان خصوصی تھے جبکہ چوتھے دن پنجاب اسمبلی کے اسپیکر میاں منظور احمد وٹو مہمان خصوصی تھے اس موقع پر انہوں نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حکومت پنجاب پسماندہ علاقوں میں ترقیاتی منصوبوں کو تیز رفتاری سے مکمل کر رہی ہے تاکہ انہیں بھی جلد ترقی یافتہ اضلاع کی صف میں شامل کیا جا سکے انہوں نے کہا کہ وزیر اعلیٰ پنجاب نے ضلع بھکر جیسے دور افتادہ پسماندہ علاقہ کے عوام کو زندگی کی بنیادی [illegible]

کی فروغ میں ترقی، دلچسپی اور خصوصی مقاصد فراہم کئے۔ انہوں نے کہا کہ پانچ روزہ میلہ جشن بہاراں نہ صرف کھلاڑیوں میں مسابقت کا جذبہ بیدار کرتے ہیں بلکہ مویشی پال کاشتکاروں میں جانوروں کی افزائش نسل اور زرعی پیداوار بڑھانے میں دلچسپی اور باہمی ربط کی فضا پیدا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوں گے۔ اسپیکر صوبائی اسمبلی نے کہا کہ میلوں کے انعقاد سے نوجوان نسل میں صحت مندانہ رجحانات کو اجاگر کرنے، انہیں منشیات اور غیر معاشرتی اور منفی مشاغل سے گریز کرنے کی ترغیب بھی ملتی ہے۔ چوتھے روز کے کھیلوں کے پروگرام میں نیزہ بازی، گھوڑا اونٹ ناچ، کبڈی اور جانوروں کی نمائش پیش کی گئی۔ صوبائی اسپیکر نے لوگوں میں پائے جانے والے نظم و ضبط کی تعریف کی اور کہا کہ جشن بہاراں اپنے معیار کے اعتبار سے ایک بڑا میلہ ہے۔ ان کی آمد پر ایم پی اے و چیئرمین ضلع کونسل بھکر حاجی رشید اکبر خان نوانی نے انہیں خوش آمدید کہا اور سپاسنامہ پیش کیا جس میں انہوں نے ضلع کونسل کی جانب سے اب تک علاقہ کی ترقی کے لئے کئے گئے عملی اقدامات کا ذکر کیا۔ بعد ازاں مہمان خصوصی نے مختلف کھیلوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے کھلاڑیوں میں نقد انعامات کے علاوہ تعریفی اسناد اور انعامی کپ تقسیم کئے۔ رات کو آتش بازی کا مظاہرہ کیا گیا۔

میلے کے پانچویں اور آخری روز صوبائی وزیر لائیو اسٹاک اینڈ ڈیری ڈیولپمنٹ پنجاب سید اکبر خان نوانی مہمان خصوصی تھے جنہوں نے میلے میں مختلف مقابلوں میں پوزیشن حاصل کرنے والوں کو انعامات تقسیم کئے۔ سید اکبر خان نوانی نے بعد ازاں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس پانچ روزہ پروگرام میں جو تفریحی ماحول اور پُر لطف فضا پائی گئی وہ پنجاب کے کسی بھی بڑے میلے سے کم نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس قسم کے میلے قومی یکجہتی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان میلوں کے سبب جہاں شہری ترقیاتی، امدادی اور تعلیمی پہلوؤں سے آگاہ ہوتے ہیں وہاں انہیں زراعت کے ترقی یافتہ طریقوں کا علم ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ زندہ قومیں اپنی صحت مند روایات کو ہمیشہ زندہ رکھتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں نواز شریف عوام کو خوشحال بنانے کے لئے جو اقدامات کر رہے ہیں وہ ایک شاندار کارنامہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ عوام کو چاہئے کہ وہ اس سلسلے میں ان سے تعاون کریں۔ انہوں نے ضلع کونسل کے ملازمین کی خدمات کو سراہا اور عوام کی طرف سے میلے میں بھرپور دلچسپی

باقی صفحہ ۵۰ پر

جاگو اور جگاؤ

حکیم محمد سعید

- جہل اور ناخواندگی کا عفریت ہمارے فکر پر اور ہمارے عمل پر حملہ آور ہے۔ طاقت علم سے اور عمل صالح سے اس شیطان کو شکست دے دو!
- اقتضائے ملی سے متصادم اور نظریۂ حیات ملی سے متضاد اور حریت فکر سے عاری اور بھٹکے ہوئے غیر نافع نظام تعلیم و تربیت کو بدل ڈالو کہ اس انقلاب کے بغیر نہ قوم کا جہل دور ہوگا اور نہ کاملاً نفاذ شریعت و طریقت ممکن ہو سکتا ہے۔ اپنی تمام فطری توانائیوں کو اور اپنی تمام فکری صلاحیتوں کو مجتمع کر کے نظام تعلیم و تعلم میں اور نصاب تعلیم و تربیت میں انقلاب لانے کے لئے مستعد اور سینہ سپر ہو جاؤ۔
- نونہال اور جوان وطن کی صحت اور پوری ملت پاکستانیہ کی تن درستی خطرات مبہم سے دوچار ہے۔ پوری قوم روح و جسم کی عدم صحت اور شدید آلام کی گرفت میں ہے۔ دانش قدیم اور روشنی جدید پر مشتمل ایک متوازن منصوبۂ صحت تیار کرو کہ جو خود کفالتی اور خود داری کا آئینہ دار ہو اور جو کاسۂ گدائی توڑ کر اپنی صلاحیتوں سے مرتب کیا گیا ہو۔
- غیروں کی امدادوں نے اور طاغوتی قرضوں نے ہماری قومی غیرت کو چیلنج کیا ہے اور ہماری ملی حمیت کو تباہ کر دیا ہے۔ اس بھیک نے ہماری حریت فکری اور ہماری حریت سیاسی کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ خودی اور خودداری، سادگی اور قناعت کی پوری شان کے ساتھ میدان عمل میں آؤ اور شجاعت و قناعت کے ہتھیاروں سے اپنے کاسۂ گدائی کو توڑ ڈالو۔
- جاگو کہ طاغوت کا عفریت اور اغیار کا شیطان ہمارے منصوبۂ تعلیم و تربیت میں دخیل ہو گیا ہے اور وہ ہماری درس گاہوں میں داخل ہو گیا ہے۔ اس کی ناپاک شرارتوں نے نونہال اور جوان امروز پر تعلیم و تعلم کا ہر دروازہ بند کر دیا ہے۔ اس خطرناک دیو کو درس گاہوں سے نکالو۔ نظام تعلیم بحال کرو تاکہ صف اقوام عالم میں تم سرفراز ہو سکو اور سربلند!
- ہم آج زوال اخلاق کی آہنی گرفت میں آ گئے ہیں۔ ہماری عیش کوشیوں نے اور ہماری شخصی اور ملی بداخلاقیوں نے چشم عالم میں پاکستان کی اور ہماری عزت و آبرو کو خاک میں ملا دیا ہے۔ جاگو اور اپنی اس پستی کا احساس کرو۔ خوب سمجھ لو کہ حسن اخلاق، حسن عمل اور حسن سلوک کے بغیر تم نہ سربلند ہو سکتے ہو اور نہ سرفراز۔ تو پھر جرأت رندی کے ساتھ آگے بڑھو اور آواز اخلاق بلند کرو۔
- اپنے ضمیر کو جو تمہارا سب سے دیانتدار محاسب ہے
- اپنی خودی کو اور اپنی خودداری کو کہ جو تمہاری عظمت و رفعت کی مظہر و امین ہے۔
- اپنے فکر و نظر کی سوئی ہوئی طاقتوں کو کہ وہ تمہاری سب سے بڑی رہنما اور محافظ ہیں۔
- اپنی سوئی ہوئی صلاحیتوں کو کہ یہی اعمال صالحہ کے لئے صراط مستقیم کا تعین کرتی ہیں۔
- ان ارباب فہم و اختیار کو کہ جو تم کو پر مقصد و نافع نظام تعلیم اور مثبت نظام صحت دینے کے ذمہ دار ہیں
- ان ارباب قلم کو کہ جن کا قلم بے بہرہ ہو اور امانت دار و صداقت شعار قلم امت کی قسمت بدل دینے کی صلاحیت اور شان رکھتا ہے۔
- ان اصحاب فکر و نظر کو کہ جن کی صحت فکر و نظر قوم کی عظمتوں کا سامان کر سکتی ہے، اور جن کی رفعت عمل نظریات غیر کا موثر رد کر سکتی ہے۔ اور اختیار غیر کا توڑ کر سکتی ہے۔
- ان اہل وطن کو کہ جو تعمیر ملت سے غافل اور لاپروا ہیں اور عیش کوشیوں میں مبتلا ہو کر فکر غیر کو اپنا رہے ہیں اور اپنی آزادی اور خودی کا سودا کر رہے ہیں۔ وہ بھول رہے ہیں کہ خودی انمول ہے خودی کے بغیر انسان، انسان نہیں رہ سکتا۔ اہل وطن کو یاد دلاؤ کہ آزادی وطن زندگی ہے اور غلامی موت ہے۔
- ان صاحبان تعلیم و تعلم کو اور ان معلمین و متعلمین کو کہ جن کی صحت فکر و عمل سے ملت اسلامیہ جہل کی گرفت سے آزاد ہو سکتی ہے، اور یہ فراموش نہ کرو کہ علم و حکمت ہی سے تمہاری اور ملت کی سربلندی و سرفرازی ممکن ہو سکتی ہے
- جگاؤ اپنے ضمیر کو اور قوم کے ضمیر کو کہ جو پوری دیانت و صداقت کے ساتھ ان ضمیر فروشوں اور وطن فروشوں کا محاسبہ کر سکے جن کے کردار نے پاکستان کو اندر اور باہر توڑ کر رکھ دیا ہے۔

امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

علم و عرفان کے مفسر

> **علوم انسانی جاننے والے دانشور اور علماء ان کے علمی خزانے کو بڑی تحسین و آفرین سے دیکھتے ہیں!**

امام محمد غزالی اسلامی دنیا کی ایک جامع الجہات علمی اور ادبی شخصیت ہیں۔ امام غزالی ایسے دانشوروں میں ہیں جو اپنی کثیر تالیفات اور ایک خاص قسم کی تحقیقات کی وجہ سے اسلامی تہذیب و ثقافت میں ایک خاص مقام و رتبہ اور بے مثال حیثیت کے مالک ہیں۔ امام غزالی کی کتابوں اور رسالوں کی تعداد ستر سے زیادہ ہے جن میں انہوں نے فقہ، کلام، تفسیر، اخلاق اور اسلامی عرفان سے متعلق بحث کی ہے۔ غزالی کے بارے میں لکھی گئی کتابوں اور نگارشات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۴۵۰ ہجری قمری میں شہر طوس میں پیدا ہوئے۔ بچپن طوس ہی میں گزرا۔ ابتدائی تعلیم جس میں ادبی اور دینی علوم شامل تھے اسی شہر میں حاصل کی۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے جرجان اور نیشاپور تشریف لے گئے۔

۲۰ سال کی عمر تک انہوں نے اس زمانہ کے تمام مروجہ یعنی فقہ، اصول، حدیث، درایت اور کلام میں تحقیق حاصل کیا اور استاد مسلم الثبوت کہلائے اور اسی طرح ابوالمعالی کی وفات یعنی ۴۷۸ ہجری قمری میں انہیں تجربوں کے مایہ ناز وزیر خواجہ نظام الملک طوسی کی حمایت و سرپرستی سے اس زمانہ کی سب سے بڑی یونیورسٹی نظامیہ بغداد میں داخلہ ملا۔ ۴۸۴ ہجری قمری میں انہیں تدریس کا منصب عطا ہوا۔ اس وقت ان کی عمر صرف ۳۵ سال تھی۔ وہ چار سال تک بغداد میں تدریس، وعظ، مناظرہ اور تالیف کے کاموں میں مشغول رہے یعنی ۴۸۸ ہجری تک ۳۹ سال کی عمر میں ان کی زندگی میں ایک انقلاب رونما ہوا۔ بے چینی و وحشت نے انہیں گھیر لیا اور انہوں نے تدریس و تعلیم اور دوسرے تمام عہدے اور کام چھوڑ کر فریضہ حج ادا کرنے کے بہانے بغداد کو ترک کیا۔ چنانچہ دس سال تک شام، بیت المقدس اور حجاز میں گھومتے رہے اور اس تمام مدت کو زہد و ریاضت اور تالیف و تصنیف میں گزارا پھر ۴۹۸ ہجری میں مناسک حج بیت اللہ ادا کر کے واپس طوس تشریف لائے اور صرف دو سال کے کچھ عرصہ نظامیہ نیشاپور میں درس و تدریس میں گزارے۔ باقی تمام عمر خاموشی سے ایک گوشہ عزلت میں بیٹھ کر زہد و ریاضت میں گزار دی۔ یہاں تک کہ ۵۰۵ یا ۵۰۵ میں جمادی الآخر کی چودہ تاریخ کو پیر کے دن کی صبح جیسا کہ ان کے بھائی احمد نے نقل کیا ہے انہوں نے وضو کیا، نماز پڑھی پھر "سجادۂ خاتمہ" پر قبلہ رو لیٹ گئے اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ غزالی علم و ادب و دانش کے ایسے نوادرات میں سے ہیں جنہیں بڑی ثروت مند اسلامی ثقافت نے نو سو سال قبل اپنے دامن کے سائے میں پروان چڑھایا ہے۔

اس مایہ ناز دانشور اور عالم کی زندگی اور اس کا ادبی سرمایہ کم و بیش جو کچھ بھی ہے اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ مسلمانوں نے دنیا کو سجانے اور بنانے میں کتنی عظیم کوششیں انجام دی ہیں۔ غزالی کی ساری زندگی اور ان کے چھوڑے ہوئے ادبی و علمی سرمایہ میں یہ چیز بالکل واضح طور پر مشاہدہ کی جا سکتی ہے کہ روحانی اور مادی علوم میں ایک رشتہ اور ایک رابطہ قائم ہے یعنی ایک طرف ایمان دنیا کا آغاز اور آسمانی تعلیمات اور دوسری طرف انسان کی علمی اور عقلی ایجادات کے درمیان ایک نسبت قائم رکھیں اور اس طرح مومنین کے دلوں اور دانشوروں کی عقلوں کو ایک دوسرے کے نزدیک لا سکیں۔

اس باطنی اور اندرونی انقلاب کے رونما ہونے کے بعد اب وہ جاہ و مال اور شان و شوکت و قیل و قال کے شیدائی نہیں رہے۔ اب تو وہ آتش ندامت میں جل کر خاکستر ہو گئے ہیں گویا اس انقلاب کے بعد ایک ایسا غزالی پیدا ہوا ہے جو کبھی نہیں مر سکتا۔ وہ زندۂ جاوید ہے۔ نو سو سال ہونے کو آئے جب غزالی دوبارہ پیدا ہوئے تھے اور آج ان کا نام نامی مشرق و مغرب میں زبان زد خاص و عام ہے اور علوم انسانی جاننے والے دانشور اور علماء ان کو ان کے ادبی و علمی خزانے میں خاص طور پر "کیمیائے سعادت" میں بڑی حیرت اور تحسین و آفرین کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

انقلاب فکر و نظر کے بعد غزالی کی جستجو یہ رہی کہ دین اور مذہب کو ان مادی آلودگیوں اور تحریفوں سے پاک و صاف کریں جو اس میں داخل ہو چکی تھیں اور اس کو دوبارہ زندہ کریں۔ ان کی گوشہ نشینی ایک قسم کی سیاسی گوشہ نشینی تھی اور ایک منفی جنگ تھی جو انہوں نے جابر، طاقتور اور دولت مند حاکموں کے خلاف جاری کر رکھی تھی وہ اپنی زندگی کے اس حصے میں سچے دینی عالموں کی سلامتی اسی چیز میں دیکھتے ہیں کہ وہ بادشاہوں اور مطلق العنان حاکموں سے دور رہیں اور ان کے اثر میں نہ آئیں جیسا کہ خود انہوں نے حضرت ابراہیم خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا کر یہ عہد کیا کہ کسی بادشاہ کے پاس نہیں جائیں گے، نہ اس کی دولت کھائیں گے اور نہ کسی کے ساتھ مناظرہ کریں گے اور نہ تعصب۔

آخر کار یہ انقلاب فکر و نظر ان کے اندر ایک ایسی تبدیلی پیدا کرتا ہے کہ جس سے وہ مقام و شہرت و دولت کے بتوں کو توڑ کر پاش پاش کر دیتے ہیں اور شان و شوکت کو ٹھکرا دیتے ہیں اور اس طرح دنیوی جاہ و جلال سے بے اعتنا ہو جاتے ہیں۔ ایک خط میں جو انہوں نے خراسان کے عوام کی طرف سے سلطان سنجر کو تحریر کیا اور اس میں بادشاہ وقت سے ظلم و بیداد گری کے خلاف فریاد کی ہے اور اس کی بادشاہت کو ایک اینٹ یا پتھر سے تشبیہ دی ہے۔ نصیحت کرتے ہیں۔ ایک اینٹ کی کیا قیمت ہے؟ ازل سے ابد تک اور ہمیشہ رہنے والی سلطنت میں ایک آدمی کی عمر کے سو سال کی کیا حیثیت ہے کہ اس سے کوئی خوشی حاصل کرے؟ بزرگوں نے کہا ہے "اگر دنیا سونے کا ایک باقی نہ رہنے والا کوزہ ہوتی تو ایک عقلمند آدمی باقی رہنے والے مٹی کے کوزے کو پسند کرتا۔ سونے کے کوزے کے مقابلے میں کہ جو فانی ہے دنیا تو خود ایک مٹی کا کوزہ ہے جو باقی نہیں رہے گا اور آخرت سونے کا وہ کوزہ ہے جو کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ وہ شخص جو دنیا اختیار

کیسے اصلاح ممکن ہو سکتی ہے؟ اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ سلطنتوں کے عوام پر ہر جگہ ان پر بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ غزالی کی نظر میں سارے سیاسی اور معاشرتی فساد کا سرچشمہ علمائے دین کا فساد ہے جب علما بگڑ جاتے ہیں تو وہ عام جاہل امرا اور مستبد بادشاہوں اور فاسد حکمرانوں کے سامنے سکوت اور خاموشی اختیار کرتے ہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی پرواہ نہیں کرتے اور وہ اس پر عمل کرتے ہیں اپنے دین اور دنیا کی خاطر بیچ دیتے ہیں اور خلق کو خوش رکھنے کے لئے خالق کو ناراض کر دیتے ہیں جیسا کہ انہوں نے "کیمیائے سعادت" میں لکھا ہے: "... رعیت کا فساد بادشاہوں کے فاسد ہونے کی وجہ سے اور بادشاہ علماء کے فاسد ہونے کی وجہ سے بگڑ جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بادشاہوں کی اصلاح نہیں کرتے اور ان کو بُرے کاموں سے نہیں روکتے۔"

اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ غزالی کا یہی دین کا فخر اور قلم شکنی ہے۔ جو دین و مذہب سے گہرے لگاؤ کی مدد سے ان کو اس بات پر اکساتا ہے کہ دینی علوم کے احیاء اور معارف اسلامی کی طرفداری کے لئے دنیا کے شوقین بے عمل عالموں اور ریاکاروں کے خلاف انتھک کوشش اور نہ ختم ہونے والی جنگ دجال کا آغاز کریں اور اس جنگ دجال کے دوران کبھی تو وہ بے تعداد نقیبوں سے الجھتے ہیں کہ وہ کیوں ظاہری چیزوں پر تکیہ کرتے ہیں؟ کیوں وہ دین کو سمجھنے میں قاصر ہیں اور حرام و حلال کے علم کو دنیا کی ترغیبوں اور بادشاہوں کی قربت حاصل کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں؟ کس لئے معرفت و عرفان کی خاطر نہیں کرتے اور طہارت کے بھیدوں کو نہیں کھولتے؟ کس لئے شریعت کے دلنشیں پیغام اور دین کے روح رواں اس مضمون کو جو تقویٰ، اخلاص اور محبت سے بھرا ہے اور کبھی وہ فلسفیوں پر حملہ کرتے ہیں کہ وہ انبیاء سے برابری کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ امام محمد غزالی بغداد سے ہجرت کرنے کے بعد ایک زاہد، عارف، عالم باعمل اور خدا ترس انسان کی شکل میں جلوہ گر ہوتے ہیں ایک ایسا انسان جو طبیعت سے اور اپنے دنیاداروں کی صحبت سے متنفر اور بیزار ہے وہ دنیا اور دنیا کے جھمیلوں اور ظالم داروں سے کنارہ گیری کرتے ہیں اور تقویٰ اور پاکیزگی کی راہوں پر چل کر آخر کار اس دریا کی طرح جو سمندر سے جا ملتا ہے اور سکون حاصل کرتا ہے تلاطم و اضطراب سے نکل کر آرام اور سکون پاتے ہیں اور شک سے نکل کر یقین کی منزل میں پہنچ جاتے ہیں غزالی کا یہی فکری اور روحانی تجربہ تھا جس نے ان کی اچھی یادگاروں کو لوگوں کے ذہنوں میں باقی رکھا۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

وادی مہران میں

پہلی اذان بنائے پاکستان ہے

پہلی صدی ہجری کے اواخر میں مسلمانوں کی قوت جہاد اپنے عروج پر تھی۔ ایک طرف طارق بن زیاد نے اسپین میں اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے دوسری طرف چین کی سرحد پر قتیبہ بن مسلم نے اپنے قدم جمالیے تھے تیسری جانب محمد بن قاسم نے فتوحات سندھ سے جنوب مشرقی ایشیا میں سلامتی و ملت کے راستے کھول دیئے تھے۔

۱۰ رمضان المبارک ۹۳ھ سے ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ یعنی محمد بن قاسم کے فتح سندھ سے قیام پاکستان تک تیرہ صدیوں کی اس طویل مسافت میں دو شخصیات ایسی نظر آتی ہیں جو ماضی کا رزق نہ بن سکیں اور تاریخ کے دھندلکوں میں تحلیل ہو سکیں۔ بے شک ۹۳ ہجری میں فتح سندھ سے لے کر ۱۳۶۶ھ میں قیام پاکستان تک جو مقدس کہانی ہے اسلام کی زبانی ہے۔ ۱۳۰۷ھ میں جو ریاست اسلامی کی بنا ڈالی گئی تھی اسی بنا پر اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نقشہ ابھرا، یہ قول کہ پاکستان اسی دن قائم ہو گیا تھا جب برصغیر میں پہلے مسلمان نے قدم رکھا تھا' اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ تاریخ نے اپنا تسلسل قائم اور برقرار رکھا ہے۔

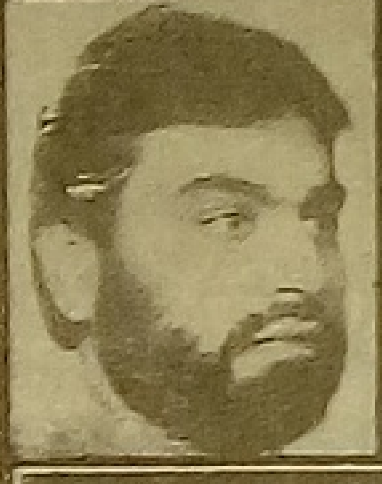
۱۰ رمضان المبارک ہمیں اس روز درخشاں کی یاد دلاتا ہے جب ایک جواں ہمت مسلمان نے مظلوم عوام کی راحت کے لیے مستقبل کا دروازہ کھولا تھا، یہی تو باب الاسلام کہلایا۔ تاریخ گواہ ہے کہ ۱۰ رمضان

از:- حکیم محمد سعید

۹۳ھ جمعۃ المبارک کو صحرائے سندھ میں پہلی اذان گونجی تھی جو بنائے پاکستان ثابت ہوئی محمد بن قاسم کی رسد پانی کے راستوں سے آئی اور دیبل پر اتری اور محمد بن قاسم خود چھ ہزار مجاہدین کو لے کر خشکی کے راستے شیراز اور بیلا سے ہوتے ہوئے جس مقام پر خیمہ زن ہوئے وہ وہی مقام ہے کہ جہاں آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مدینۃ الحکمۃ ــ شہر علم و حکمت آباد ہو رہا ہے منگھو پیر کے راستے محمد بن قاسم اپنی بحری افواج سے دیبل میں جا ملے، یہ وہی راستہ ہے جو عرب و ایران سے بعد میں آنے والے اولیاء، صوفیاء، علماء و فضلاء نے اختیار کیا جنہیں حضرت پیارا وارث (؟) کیا ملتانی اور حضرت لعل شہباز قلندرؒ شامل ہیں جنہوں نے اس سرزمین کو علم کی روشنی سے منور اور صلاحیت کی خوشبو سے معطر کیا۔ قرآن مجید کے پہلے ترجمے کی منفرد سعادت بھی اسی وادی سندھ کے ایک عالم کو حاصل ہوئی اس بار ۱۰ رمضان المبارک پھر جمعہ کو آئی ہے آج تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے اس اشارے پر غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہوں اور اپنے اذہان و قلوب کو ٹٹولنے کی تلقین کرتا ہوں ہم نے صحرائے سندھ کو ہریالی بخشی تھی ہم نے یہاں نظم کا قائم کر کے انسانوں کی راحت کا سامان کیا تھا، انسان کو مرتبۂ انسان دیا تھا اپنی تاریخ سے ہمیں سبق لینا چاہیے اور سندھ میں سامان انسانیت کرنا چاہیے سرزمین سندھ اولیاء کی سرزمین ہے اس کا تقدس بحال کرنا چاہیے اور سندھ کو محبتوں کا لالہ زار بنانے کا فیصلہ کرنا چاہیے ــــ

سندھ زندہ باد ــــــ پاکستان پائندہ باد

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ



حال احوال

سردار احمد قادری

"سُنا ہے مولانا شاہ احمد نورانی پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے ہیں۔"

"آپ نے مولانا سعادت علی قادری کی پی پی پی میں شمولیت کی خبر سُنی ہوگی۔"

"کون مولانا سعادت علی ہالینڈ والے؟"

"جی ہاں وہی!"

"وہ کب سے پاکستان چلے گئے اور کیوں پی پی پی میں شامل ہوئے؟"

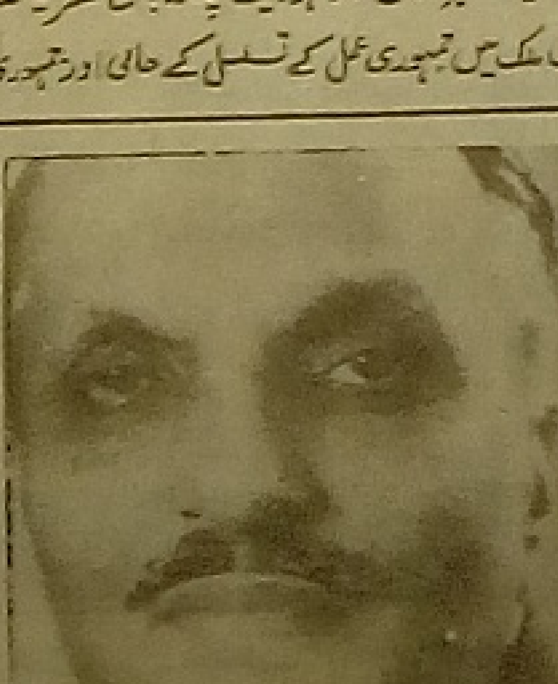
"پاکستان تو وہ اب اکثر قیام پذیر رہتے ہیں اور اخباری اطلاعات کے مطابق ملک و قوم کی خدمت کا عزم لے کر پیپلز پارٹی کے ہاتھ مضبوط کرنے گئے ہیں۔"

"اور کیا مولانا نورانی کی شمولیت والی خبر بالکل جھوٹی ہے؟"

"جی جناب! یہ ایک افواہ ہے اور اس میں ذرہ بھر بھی صداقت نہیں ہے۔"

بیلجئم کے دارالحکومت برسلز میں (جہاں راقم الحروف قیام پذیر ہے) مولانا نورانی کی پیپلز پارٹی میں شمولیت سے متعلق پھیلائی جانے والی خبروں کے متعلق میری پاکستانی احباب سے اس طرح کی گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ اور میں سوال کرنے والوں کو تو مطمئن کر دیتا ہوں کہ مولانا نورانی قطعاً پی پی پی میں شامل نہیں ہوئے لیکن سوچتا ہوں کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ مولانا نورانی کے متعلق اس قسم کی افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں۔ غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ اس قسم کی افواہوں کا مقصد مولانا نورانی کے متعلق شکوک و شبہات پھیلانے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب سے مولانا شاہ احمد نورانی نے ملک میں جمہوری عمل کو کامیاب بنانے کی بات کی ہے اُسی وقت سے غیر جمہوری عمل میں پروان چڑھنے والی غیر سیاسی قوتیں ان کے خلاف الزامات کی بوچھاڑ کر رہی ہیں اور طرح طرح کی افواہیں چھوڑی جا رہی ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر شیر افگن ... عمل اندرون خانہ جمعیت کے پی پی پی سے گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں وزیر بنے ہیں۔ کبھی جنرل انصاری کے وزیر بنائے جانے کا شوشہ چھوڑا جاتا ہے اور کبھی مولانا نورانی کے پی پی پی سے خفیہ رابطے کے قصے گھڑے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ کسی طرح لوگوں کے دلوں سے مولانا نورانی کی عزت و احترام کو کم کیا جائے۔ اسی لئے اس طرح کی بہتان تراشیاں کی جا رہی ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ مولانا نورانی چونکہ ایک محب وطن اور جمہوریت پسند بالغ نظر سیاستدان ہیں، ملک میں جمہوری عمل کے تسلسل کے حامی اور جمہوری اداروں کی برتری کے قائل ہیں۔ وہ ملک کے صف اول کے رہنما ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ آمریت، لاقانونیت اور فوج کے اقتدار کو ملکی سالمیت اور تحفظ کے لئے نقصان دہ قرار دیا ہے۔ وہ ہمیشہ آئین کی پاسداری کی بات کرتے ہیں اور قانون کی بالادستی کے اصول کی حمایت کرتے ہیں۔ لیکن جماعت اسلامی کا ریکارڈ اس بات کا گواہ ہے کہ وہ ہمیشہ فوجی جرنیلوں کے زیر سایہ ہی پھلتی اور پھولتی ہے۔ مارشل لاء میں اس کا تجزیہ ایک بہتر منظر پیش کرتا ہے۔ یہ بات طے ہے کہ تقریباً نصف صدی کا سفر طے کرنے والی یہ جماعت آج بھی کم و بیش وہاں کھڑی ہے جہاں سے چلی تھی بلکہ سرمایہ اور تنخواہ دار کارکنوں کی اس کے پاس کمی نہیں ہے۔ یہی تنخواہ دار کارکن ہی ہیں جو اس کو ایک منظم جماعت کی حیثیت سے متعارف کراتے ہیں کیونکہ باقاعدہ دفتری نظم و ضبط کے تحت کام کرنے والے سیاسی سے زیادہ اطاعتی ذہن کے مالک ہوتے ہیں۔ جماعت نے ملکی درسگاہوں کو اسلحہ خانوں میں تبدیل کیا۔ طلبہ لیڈروں کے ذریعہ تشدد کو فروغ دیا اگرچہ اس میں این ایس ایف، پی ایس ایف والے بھی پیچھے نہیں رہے لیکن جماعت کا طرز عمل کچھ زیادہ ہی منظم دہشت گردی کا سا تھا جس کا راقم الحروف کو بھی پنجاب یونیورسٹی لاء کالج لاہور کے ایک طالب علم کی حیثیت سے تجربہ رہا ہے لیکن ان تمام تر کوششوں کے باوجود جماعت نے کوئی قابل فخر کارکردگی نہیں دکھائی۔ مارشل لاء کے دور میں یہ پھلنے پھولنے کا موقع ضرور حاصل کرتی ہے لیکن عوام میں جڑیں مضبوط نہ ہونے کی وجہ سے انتخابات میں مار کھا جاتی ہے اور نتیجتاً اقتدار میں بلا شرکت غیرے پہنچنے کا اس کا خواب مستقبل قریب میں شرمندۂ تعبیر ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے اور اس طرح مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی ریکارڈ شدہ اور فلمبند تقاریر ریڈیو اور ٹی وی پر سنانے اور دکھانے کا وقت آتا نظر نہیں آتا (جماعت اسلامی کے مرکز منصورہ کے معلوماتی جائزہ کے وقت راقم الحروف کو بتایا گیا تھا کہ لائبریری میں سید مودودی کی آڈیو اور ویڈیو کیسٹس پر تقاریر موجود ہیں)۔ اب جبکہ جماعت اسلامی نے



ضیاء الحق کا مقصد وحید اپنے اقتدار کو طول دینا تھا۔ وہ نفاذ اسلام کا نام لیکر مسلسل دھوکہ دیتے رہے

…سمجھ لیا ہے کہ مکمل اقتدار کا حصول ابھی نظر نہیں آتا اس لئے …نے اقتدار میں حصہ لینے پر ہی اکتفا کر لیا ہے اور اس …ے ممتاز رکن ڈاکٹر افضل اعزاز نواز شریف کی کابینہ میں …ڑکوں اور بسوں کے محکمہ کے وزیر بن کر نواز لیگی حکومت کے حصہ دار ہیں اور اس طرح ٹرانسپورٹ ورکروں کے ذریعہ انقلاب لانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں جبکہ عشر، زکوٰۃ اور اوقاف کے خالصتاً اسلامی امور کی وزارت مولانا درخواستی کی جمعیت کے قاری سعید الرحمٰن نے سنبھالی ہوئی ہے۔ یعنی جماعت اور جمعیت والے اپنے اپنے حصے اقتدار میں شمولیت کی وجہ سے وصول کر رہے ہیں۔ یوں تو اقتدار کے طالب اس اتحاد میں شامل ہونے والوں میں فیصل آباد والے میاں فضل کریم بھی تھے لیکن ان کی جماعتِ اہلسنت کو اُن کی نشست پر صرف تین سو پچاس ووٹ ہی مل سکے اور حصولِ اقتدار کی خواہش دل ہی میں رہ گئی۔

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

علمِ سیاسیات میں یہ ایک مسلّمہ نظریہ ہے کہ سیاسی پارٹیاں اس لئے تشکیل دی جاتی ہیں کہ وہ رائے عامہ کو منظم کر کے اقتدار کے حصول کے لئے راہ ہموار کریں۔ لیکن جو اقتدار اصولوں کو قربان کر کے حاصل کیا جائے اُسے اخلاقی گراوٹ کا مظاہرہ اور اقتدار پرستی کا جنون ہی کہا جا سکتا ہے اور پھر سیاسی جماعتوں کی مسلّمہ جمہوری روایات کا تقاضا یہ ہے کہ سیاسی اور جمہوری قوتوں سے تعاون کیا جائے۔ جو سیاسی جماعت جمہوری عمل سے گریز کرتی ہے وہ درحقیقت سیاسی جماعت کہلانے کی مستحق ہی نہیں ہے۔ جماعت اسلامی کی خوبی یہ ہے کہ اسے دوسروں کا بال بھی نظر آ جاتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر بھی اوجھل رہتا ہے۔ گزشتہ سال اپنے اجتماع میں جماعت کے مقتدر رہنماؤں نے جمہوریت کے حق میں بڑے خوبصورت خطبے ارشاد فرمائے ہیں لیکن مرحوم صدر ضیاء الحق کے دور میں جمہوریت کی بات ہی نہیں کی جاتی تھی۔ صرف نعرۂ نفاذِ اسلام پر ہی اکتفا کیا جاتا تھا۔ جب بھی جماعت کے رہنماؤں سے جمہوری عمل کی بحالی سے متعلق استفسار کیا جاتا تو یہی جواب دیا جاتا کہ موجودہ حکمران سابقہ دورِ حکومت کے منتخب حکمرانوں سے بہتر ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صوم و صلوٰۃ کی پابندی کے لحاظ سے مرحوم صدر ضیاء الحق مرحوم وزیر اعظم بھٹو سے نسبتاً بہتر تھے لیکن اصل بات تو مسئلہ کی اہمیت کی تھی۔ جہاں تک اسلامی نظام کے عملی نفاذ سے متعلق پیش رفت کا تعلق ہے وہ جس طرح سُست رفتاری سے بھٹو دورِ حکومت میں رہی اسی طرح کچھوے کی چال کی طرح یہ عمل ضیاء دورِ حکومت میں بھی۔ ہاں فرق صرف یہ ہے کہ بھٹو صاحب نے اپنے او دیئے اسلامی سوشلزم کا



جماعت اسلامی کا شجرِ امید مارشل لا میں بہار کا منظر پیش کرتا ہے!

لیبل چسپاں کر کے سوشلسٹوں اور ملک کی اکثریت کو خوش کرنا چاہا تھا جبکہ ضیاء الحق "نفاذِ اسلام" کی بات کر کے اپنے آپ کو اسلام کا پُرجوش مبلغ اور پی پی پی کو دشمنِ اسلام ثابت کرنا چاہتے تھے۔ صوم و صلوٰۃ پر پابندی کے اس تفاوت کو چھوڑ کر بھٹو اور ضیاء دور میں نفاذِ اسلام سے متعلق پیش رفت میں کوئی واضح فرق نظر نہیں آتا۔ جماعت اسلامی کے حامی اشاعتی حلقے تو ضیاء صاحب کی تعریفوں کے پُل ہی باندھتے رہتے ہیں اور انہیں امیر المومنین ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے تھے۔ ان کے ٹخنوں سے اوپر شلوار کو ہی اسلام کا معیار قرار دیتے ہیں۔ انہیں ایسا ہی کرنا چاہئے کیونکہ وہ ان کے مربّی اور محسن تھے لیکن حقائق ویسے نہیں جس طرح انہیں بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔

اگر مسٹر بھٹو نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ میں مخلص نہیں تھے تو مسٹر ضیاء الحق بھی صرف قول کی حد تک تھے۔ عملی نفاذ نظر نہیں آیا۔ آپ اسے حالات کی مجبوری ہی سمجھ لیں لیکن شراب نوشی، جوا، ریس وغیرہ جیسے قبیح عمل بہرحال مسٹر بھٹو کے دورِ حکومت میں قانونی طور پر ختم ہوئے جبکہ عملی طور پر یہ نہ بھٹو نے ختم کرائے اور نہ ہی اس بدقسمتی سے نفاذ ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں ہوا۔ دونوں کے دورِ حکومت میں ان کے وزراء اور مشیرانِ کرام ان حرکتوں میں ملوث رہے کس کس کا نام لکھا جائے۔ اس لحاظ سے کارکردگی کے اعتبار سے دونوں صفر ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مسٹر بھٹو کے متعلق ہر کسی کو معلوم تھا کہ وہ پیتے ہیں جبکہ جنرل ضیاء الحق ذاتی طور پر پکے نمازی اور علمائے دیوبند کے زبردست مداح تھے۔ نعت خوانی سے اثر لیتے تھے۔ نعت کے اشعار سُن کر ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے تھے۔ سرکاری خرچ پر ماہِ رمضان المبارک میں عمرہ بھی باقاعدگی سے ادا کرتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان اعمالِ صالحہ کی جزا عطا فرمائے لیکن بحیثیت سربراہ مملکت نفاذِ نظام مصطفیٰ ﷺ کے سلسلے میں جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی تھیں وہ پوری نہیں کیں جس کے لئے انہیں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ کیونکہ وہ بار بار اسلام کے نفاذ کی بات کرتے تھے۔ مسٹر بھٹو کے مواخذہ کی نوعیت کچھ اور ہے جبکہ جنرل ضیاء اسلام کے نفاذ کا نام لیکر مسلسل دھوکہ کرتے رہے اور اپنے دورِ اقتدار کو طول دیتے رہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسٹر بھٹو ہر طرح سے بری الذمہ ہیں۔ یوں تو مذکورہ دونوں حکمران اب اپنے ربِ تعالیٰ کے حضور پیش ہیں لیکن احتساب کی بات کرنے والے حکمرانوں کا احتساب تو ضرور ہوگا۔

اگر حالات کا غیر جانبداری سے تجزیہ کیا جائے تو یہ سچ کھل کر سامنے آ جاتا ہے کہ مسٹر بھٹو کی طرح مسٹر ضیاء الحق کا مقصدِ وحید بھی صرف اور صرف اپنے عرصۂ اقتدار کو طول دینا تھا۔ چونکہ وہ تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں اُمتِ مسلمہ کے جوش اور ولولہ کا مظاہرہ دیکھ چکے تھے اس لئے انہوں نے اس نعرہ کی پناہ میں آنا چاہا لیکن اُن کے مشیروں نے "نظام مصطفیٰ ﷺ" کی اصطلاح ہی کو غلط قرار دے دیا۔ وہ اصطلاح جو تحریک کے عروج میں جان کی بازی لگانے کے حوصلے اور عزم کو فروغ دیتی رہی وہ غلط ٹھہری۔ اس لئے جنرل مرحوم نے صرف نفاذِ اسلام کا نعرہ بلند کیا۔ جس کے نتیجے میں جماعت اسلامی، جمعیت علماء اسلام، مسلم لیگ اور پی ڈی پی ان کی گود میں آ بیٹھیں۔ مسلم لیگ کے متعلق تو یہ پھبتی کسی جاتی ہے کہ وہ اقتدار کے بغیر نہیں رہ سکتی لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ دوسری جماعتیں کس بنیاد پر جنرل ضیاء کی ممد و معاون بنیں؟ یہی کچھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نفاذِ اسلام کی تڑپ تھی جو انہیں کشاں کشاں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے حضور لے گئی۔ ورنہ مفتی محمود کی جیت تو اصولوں کی بنیاد پر وزارتِ اعلیٰ چھوڑنے کا ریکارڈ رکھتی تھی۔ نوابزادہ نصر اللہ خاں ہمیشہ جمہوری قدروں کے علمبردار رہے۔ رہی جماعت اسلامی تو وہ ہمیشہ بااختیار اور کامل اقتدار کے حصول کی بات کرتی رہی لیکن ان سب نے سوچا ہوگا کہ اب موقع ہے کہ اقتدار کو سنبھال کے جنرل ضیاء کو رخصت کیا جائے اور تحریک کے "اثرات" کے "ثمرات" حاصل کئے جائیں لیکن ان کے ساتھ المیہ یہ ہوا کہ ضیاء الحق اتنے سیدھے

سادے نہیں تھے جتنے نظر آتے تھے۔ وہ ان سے یالاک نکلے۔ وہ یوں تو ہر کسی سے مسکراہٹ، تواضع اور انکساری سے پیش آتے تھے کہ ہر کوئی انہیں اپنا گرویدہ سمجھتا تھا لیکن جس شخص نے اپنے قریبی ساتھیوں جنرل سوار اور جنرل اقبال کو ان کی ریٹائرمنٹ کی اطلاع رسالپور جاتے ہوئے گاڑی رکوا کر وائرلیس کے ذریعہ لاہور میں اس وقت پہنچائی ہو جب وہ "ہارس اینڈ کیٹل شو" کے پُر لطف نظارے سے سرور ہو رہے ہوں اور جو اپنے دست و بازو اور "فیئر پلے آپریشن" کے مرکزی کردار جنرل چشتی کو، جو انہیں سب کے سامنے "مرشد" کہا کرتا تھا، اُس کے مطالبے کے باوجود گورنری کا مستحق نہ سمجھے، جو جنرل اعجاز عظیم کو صرف اس وجہ سے ریٹائر کر دے کہ اس کے گھر میں اُسے مسٹر بھٹو کی تصویر نظر آجائے تو اس کے سامنے ماموں میاں طفیل، شرافت کے پیکر نوابزادہ صاحب اور سرحد و بلوچستان کی نمائندہ مذہبی پارٹی کے مفتی محمود کی کیا حیثیت تھی۔ یوں تو جنرل ضیاء کو ہوتی خاندان کی صورت میں سرحد سے اور نواب آف قلات کے شہزادگان اور جمالی خاندان کی صورت میں بلوچستان سے حمایت میسر آچکی تھی لیکن اس کی طاقت کا مرکز فوج تھا اور فوج کے بل بوتے پر ہی گیارہ سال کا طویل عرصہ اقتدار میں گزرا۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ آخر دم تک فوج کی وردی نہیں اتاری۔ تاہم پنجاب اور سرحد میں بھی اپنی حامی قوتوں کو مضبوط کیا۔ سندھ میں پیر صاحب پگاڑا جیسی شخصیت ممد و معاون بنی انہی کی معرفت کچھ اور شخصیات نے بھی دستِ تعاون بڑھایا۔ جبکہ پنجاب میں تمام سرکردہ جاگیردار اور سرمایہ دار حمایت و تعاون کے لئے آمادہ ہو گئے۔ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے جنرل ضیاء الحق جاگیرداروں کی طبیعتوں اور مزاجوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے کسی جاگیردار کو آگے لانے کے بجائے ایک "شہری بابو" سرمایہ دار پر ہاتھ رکھا اور یوں نواز شریف کے "پنجاب دا پتر" بننے کے عمل کا آغاز ہوا۔ رہ گئے اقتدار پرست علماء اور مشائخ تو ان کو مذہبی اداروں اور درگاہوں کی گرانٹ کے نام پر اتنا کچھ دے دیا گیا کہ ان کی گردنیں جنرل ضیاء کے احسان تلے اتنی دب گئیں کہ ان کے عرصۂ اقتدار میں کلمۂ حق کہنے کے لئے اُٹھ نہ سکیں۔

فی الحقیقت جنرل ضیاء الحق اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں کتنے مخلص تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے جو وفاقی شرعی عدالت کے ایک ریٹائرڈ جج نے پچھلے دنوں بلیغم میں سنایا۔ موصوف عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسے میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے اور انہوں نے جلسے سے قبل ایک خصوصی محفل میں حاضرین کے سامنے یہ انکشاف کیا کہ صدر ضیاء الحق نے وفاقی شرعی عدالت کے قیام کے بعد اُسے یہ ذمہ داری بھی سونپی تھی کہ یہ عدالت اسلامی قوانین کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق اس طرح ڈھالے کہ انہیں فوری طور پر نافذ کیا جا سکے اور یہ کہ یہ کام آئندہ اگست سے پہلے ہو جانا چاہئے کیونکہ میں ۱۴ اگست کو اس کا اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ ریٹائرڈ جسٹس صاحب نے بتایا کہ اس واضح ہدایت کی وجہ سے شرعی عدالت کے ججوں نے دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ اسلامی قوانین کی ترتیب و تدوین کے عمل کو تسلسل سے جاری رکھا اور مقررہ تاریخ سے بہت پہلے یہ مسودہ جنرل ضیاء الحق کو پہنچا دیا گیا۔ لیکن جب ۱۴ اگست آیا تو جنرل صاحب نے یہ کہہ کر جان چھڑالی کہ جب تک وفاقی شرعی عدالت ہمیں قوانین مرتب کر کے نہیں دیتی ہم اسلامی قوانین کیسے نافذ کر سکتے ہیں؟ جنرل کے اس واضح جھوٹ اور کذب بیانی کو شرعی عدالت کے ججوں نے اپنی توہین سمجھا اور سب نے اجتماعی طور پر اپنے استعفے پیش کر دیئے جس پر جنرل نے معذرت کی اور کہا کہ یہ تو دراصل لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے تھا۔ دراصل وزارت قانون اس مسودے پر غور کر رہی ہے۔ آپ یقین رکھئے کہ آپ کے مسودے کو نافذ کر دیا جائے گا۔ اس یقین دہانی پر جسٹس صاحبان نے اپنے استعفے واپس لئے۔ اب آپ دیکھئے کہ جنرل ضیاء الحق نے گیارہ سال گزار دیئے لیکن وہ مسودہ نافذ نہ ہو سکا۔ البتہ جب ان کے اقتدار کا سورج غروب ہو رہا تھا اور جونیجو کو ہٹانے کے بعد انہیں اپنا سنگھاسن ڈولتا ہوا محسوس ہوا تو ایک شرعی آرڈیننس کی سوجھی لیکن اب بہت تاخیر ہو چکی تھی۔ جہاں تک نفاذ کا تعلق ہے وہ اسے بھی نافذ نہ کر سکے۔ بات دراصل یہ تھی کہ مقصد تو اپنے اقتدار کا استحکام تھا اور اسی کے لئے سارے ڈھونگ رچائے گئے۔ کبھی شوریٰ، کبھی ریفرنڈم، کبھی غیر جماعتی انتخابات، کبھی بلدیاتی انتخابات۔

جمیعت علماءِ پاکستان کے قائد مولانا شاہ احمد نورانی ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ جنرل ضیاء الحق کے وعدے مکر و فریب کے سوا کچھ نہیں۔ بالآخر نوابزادہ نصر اللہ خاں اور مولانا فضل الرحمٰن پر بھی یہ حقیقت منکشف ہو گئی لیکن جماعت اسلامی نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ ضیاء الحق کے سایۂ عاطفت میں اپنے آدمیوں کو بھرتی کرایا جائے اور جماعت کی جڑیں مضبوط کی جائیں۔ اب جبکہ جمہوری عمل شروع ہوا ہے تو سب محبِ وطن سیاسی لیڈروں کی طرح مولانا نورانی کی رائے یہی ہے کہ اس عمل کو کامیاب بنایا جائے۔ تاکہ ہر آنے والا حکمران اپنے عرصۂ اقتدار کی مدت مکمل کر سکے۔ مولانا نورانی کو یقین ہے کہ قوم ایک نہ ایک دن جمہوری عمل سے ہی نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے لئے ووٹ کی قوت استعمال کر کے "مصطفوی انقلاب" لائے گی۔ جبکہ جماعت اسلامی جمہوری طریقہ سے اپنی کامیابی کو مشکوک سمجھتی ہے۔ اس لئے جب بھی مولانا نورانی جمہوری عمل کی حمایت کی بات کرتے ہیں اسے پیپلز پارٹی کی حمایت سمجھا جاتا ہے لیکن الزام لگانے والے اپنے دامن کے بدنما داغ بھی دیکھ لیا کریں!

••

روزہ کس پر فرض ہے

۱:۔ رمضان شریف کے روزے ہر عاقل بالغ مسلمان مرد و عورت پر فرض ہیں اور بغیر کسی صحیح عذر کے روزہ نہ رکھنا۔ فقہائے کرام نے حرام قرار دیا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ۔ امام احمد رضا)

۲:۔ اگر بالغ لڑکا یا لڑکی روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں تو ماں باپ پر لازم ہے کہ ان کو بھی روزہ رکھائیں۔

۳:۔ جو بیمار روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو اور روزہ رکھنے سے اس کی بیماری بڑھنے کا اندیشہ نہ ہو تو اس پر بھی روزہ رکھنا لازم ہے۔

۴:۔ بعض لوگ بغیر عذر کے روزہ نہیں رکھتے اور بیماری یا سفر کی وجہ سے روزہ چھوڑ دیتے ہیں اور پھر بعد میں قضا بھی نہیں کرتے خاص طور پر عورتوں کے جو روزے ماہواری کے ایام میں رہ جاتے ہیں وہ ان کی قضا کرنے میں سستی کرتی ہیں یہ بہت ہی بڑا گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سے دعا ہے کہ وہ اپنے پیارے حبیب لبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل ہم سب کو ماہ مبارک کے پورے روزے رکھنے اور راتوں کو قیام کرنے کی توفیق و سعادت عطا فرمائے اور رمضان المبارک کی برکت سے مملکت پاکستان میں نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کے ذرائع پیدا فرمائے۔

(آمین بحرمۃ سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم)

••

ٹی وی پہ تبصرہ

شاہ سے بڑھ کر شاہ کی وفاداری

تابندہ لاری

ماہ رمضان المبارک کا آغاز ہوا۔ یہ مبارک مہینہ خیر و برکت اور رحمتوں کی نوید لاتا ہے۔ تمام مسلمانانِ عالم اس مبارک مہینے کی سعادتوں سے فیض یاب ہونے کے لئے عبادات اور احسن اعمال میں مصروف رہنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ لیکن گزشتہ چند برسوں سے پاکستان میں اور خصوصاً حیدرآباد اور کراچی میں جو افسوسناک صورتحال ہے۔ وہ اس مبارک مہینے میں بھی کم نہیں ہوتی۔ اور فسادات، لوٹ مار، قتل و غارت گری کا بازار گرم رہتا ہے گزشتہ سال بھی حیدرآباد میں پورا رمضان حتیٰ کہ عید جیسی خوشی کا موقع بھی وہاں کے لوگوں نے کرفیو میں گزارا۔ اور اس بار بھی یہی صورتحال ہے۔ اور اس وقت حیدرآباد کے ساتھ ساتھ کراچی بھی کرفیو زدہ ہے۔ رمضان المبارک کے آغاز پر حیدرآباد میں قتل عام ہوا۔ پھر کراچی پر آفت ٹوٹی۔ اور کئی لوگ جاں بحق ہوئے دونوں جگہ ہنگامہ برپا رہا۔ لیکن اس موقع پر پاکستان ٹیلی ویژن کا کردار بہت گھناؤنا رہا۔ حیدرآباد اور کراچی میں کئی لوگ مر گئے لیکن ٹیلی ویژن کی خبروں میں کوئی ذکر نہ ہوا۔ البتہ لاہور میں ہنگامے میں چار آدمی ہلاک ہوئے۔ تو خبرنامے میں تفصیلی ذکر کیا گیا۔ اس کا مطلب آپ یہ نکال لیں کہ ٹی وی والوں کی [illegible] تھی۔ بلکہ یہ صرف اس لئے کہ وہاں نواز شریف کی حکومت ہے۔ روزانہ خبروں میں بیرونِ ملک ہونے والے فسادات کی خبریں رپورٹ دکھائی اور سنائی جاتی ہیں لیکن اپنے ملک کے دو بڑے شہروں کے واقعات کو بیک آؤٹ ٹیلی ویژن نے گھناؤنے کردار کی عکاسی کرتے ہیں۔ تین دن بعد خبرنامے میں گورنر سندھ کا بیان پیش کیا گیا جس میں انہوں نے افسوسناک واقعات پر رنج و غم کا اظہار کیا۔ اب کوئی ٹی وی والوں سے پوچھے کہ بھئی کون سے واقعات پر رنج و غم کا اظہار ہے۔ اب کوئی پوچھے کہ بھئی یہ کون سے واقعات پر گورنر سندھ افسوس کا اظہار کر رہے ہیں ان کے خبرنامے کے مطابق کیا کوئی ایسے واقعات ہوئے تھے اور اگر ہوئے تھے تو پھر آپ خاموش کیوں رہے؟ کیا کراچی اور حیدرآباد کے عوام پاکستان کے عوام نہیں ہیں۔ کیا وہ ٹیکس نہیں دیتے۔ کیا وہ ٹی وی لائسنس فیس نہیں دیتے۔ کیا ان کے مسائل اور ان کے حادثات و واقعات کا ذکر ٹیلی ویژن کی ذمہ داری میں شامل نہیں۔ ٹی وی نے [illegible] حکومت کو محسوس کر دیا اور پھر وزیر اطلاعات کہتے ہیں کہ خبرنامے کو حقائق کا عکاس بنایا جائے گا۔ آج کل جس طرح کا خبرنامہ پیش کیا جا رہا ہے، اگر یہی حقائق کی عکاسی ہے تو پھر اللہ ٹیلی ویژن والوں کے حال پر رحم کرے۔ شاہ سے بڑھ کر شاہ کی وفاداری میں یہ اربابِ اقتدار جس طرح اپنے ضمیر کا سودا کر رہے ہیں اس پر قوم انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی یہ ٹھیک ہے کہ ہر حکومت کا ذرائع ابلاغ پر بلاشبہ زیادہ حق ہوتا ہے لیکن اس سے زیادہ عوام کا حکومت پر حق ہوتا ہے اور پھر اگر کوئی حکومت عوامی حکومت ہونے کا دعویٰ بھی کرتی ہو تو اس کے دور میں ذرائع ابلاغ کا یہ رویہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں جن لوگوں کے ووٹوں سے کوئی حکومت مسندِ اقتدار سنبھالتی ہے کیا وہ ان ووٹوں کی حرمت اور اہمیت سے بھی واقف نہیں ہوتی اگر کراچی اور حیدرآباد کے عوام نے موجودہ حکومتی پارٹی کو زیادہ سپورٹ (SUPPORT) نہیں کیا تھا تو کیا اس کی سزا دینا تو جمہوریت کے ماننے والوں اور جمہوریت کا پرچار کرنے والوں کا شیوہ نہیں ہونا چاہئے، مگر یہ سب باتیں کتابوں ہی میں اچھی لگتی ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں، جو کچھ لکھتے ہیں عملی زندگی میں اس کا دور دور تک شائبہ نہیں ملتا، اور یہی ہماری بدنصیبی رہی ہے اور اسی وجہ سے ہمارے ہاں جمہوری عمل زیادہ عرصے نہیں چل سکا ہے جب تک ذرائع ابلاغ اور خصوصاً ٹیلی ویژن کا قبلہ درست نہیں ہوگا اس وقت تک شکایات رہیں گی ہم نے پہلے بھی لکھا ہے کہ اگر اس طرف توجہ دے دی جائے تو افواہوں کی صورت میں جو منفی پروپیگنڈہ ہوتا ہے اسمیں کافی کمی آسکتی ہے کیونکہ منفی پروپیگنڈے اور خبروں سے ہی اصل میں فسادات پھوٹتے ہیں۔ لیکن یہ ہماری بدقسمتی رہی ہے کہ اس اہم مسئلے کو ابھی تک قابلِ اعتنا نہیں سمجھا گیا، خدا ہم سب کے حال پر رحم کرے۔

پچھلے دنوں پیٹرول اور دیگر اشیاء کی قیمتوں پر اضافے نے عوام کی کمر توڑ دی جو پہلے ہی ادھ مرے تھے اس کے بعد اس عمل کو جائز اور مناسب قرار دینے کیلئے ٹیلی ویژن پر بڑے بڑے جغادری گفتگو کرتے نظر آئے حالانکہ ٹی وی اسٹیشن سے ریکارڈنگ کرا کے جب یہ دانشور خود پیٹرول پمپ پر اپنی گاڑی میں پیٹرول ڈلوانے پہنچے ہوں گے اور قیمت زیادہ دینی پڑی ہوگی تو خود بھی برا بھلا کہا ہوگا۔ اس لئے کہ ہمارا کردار یہی ہے ہم جس بات پر دوسروں کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں خود دل سے اس پر راضی نہیں ہوتے لیکن ایک گفتگو کا پروگرام اس موضوع پر ٹیلیویژن پر ایسا بھی آیا کہ جس نے ساری پول کھول دی، حیرت اس بات پر ہوئی کہ یہ پروگرام آن ایئر کیسے آگیا اس میں ڈی اے جعفری سے بات چیت کے لیے پروفیسر خورشید احمد کو مدعو کیا گیا تھا بلانے والوں کو شاید خورشید صاحب کے بارے میں مکمل معلومات نہیں، اگر انہیں علم ہوتا کہ وہ دستاویزی ثبوت بھی ساتھ لائیں گے اور جعفری کی ہر وضاحت کی دھجیاں بکھیریں گے تو شاید پی ٹی وی کے اربابِ اقتدار اتنی بڑی حماقت نہیں کرتے لیکن یہ تو پروگرام کے بعد انہیں پتہ چلا کہ انہوں نے کیا غضب ڈھایا اور وہ جو ہر وقت حکومت کے ہر جائز ناجائز عمل کی مدح سرائی کرکے "حق نمک" ادا کرتے رہتے ہیں اس پروگرام میں سب پر پروفیسر خورشید نے پانی پھیر دیا جن لوگوں نے یہ پروگرام دیکھا وہ بھی حیران تھے کہ یہ کیسے دکھا دیا گیا۔ اب آپ فوراً کہہ دیں گے کہ بھئی جمہوری حکومت ہے اس میں ہر شخص کو اپنی بات کہنے کی مکمل آزادی ہے اور یہ پروگرام اس کا ثبوت ہے تو پھر شکایت کیسی۔

ٹیلیویژن کی نئی سہ ماہی کا آغاز بھی ہو گیا ہے۔ "گریز" اپنی پانچ اقساط مکمل کرکے کامیابی سے ختم ہو گیا۔ یہ منی سیریل حمید کاشمیری نے بہت اہم اور پرانے مسئلے پر تحریر کی تھی لیکن اس کے باوجود بھی یہ سیریل بہت پسند کی گئی یہ بلاشبہ ایک سبق آموز کہانی تھی اور وقت کی ضرورت بھی۔

ثمینہ پیرزادہ ٹی وی اور فلم کی مانی ہوئی فنکارہ ہیں لیکن اب وہ پروڈکشن کی سائیڈ بھی آنا چاہتی ہیں، وہ آج کل اپنے شوہر عثمان پیرزادہ صاحب کے ہمراہ ایک وڈیو فلم کی تیاریوں میں مصروف ہیں جس میں "جہیز" کی لعنت کو موضوع بنایا گیا ہے یہ جو ہمارے معاشرے

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

نقطۂ نظر

گستاخانِ رسول ہمارا مذاق اُڑا رہے ہیں

۲۸ دسمبر ۱۹۸۹ء کو جے یو پی کی مرکزی مجلس شوریٰ اور عاملہ کا اجلاس لاہور میں ہوا تھا۔ اسی دن حلقہ ۹۹ این اے کے ایم این اے حاجی محمد اصغر گھرکی انتقال کر گئے۔ لہٰذا ان کی وفات سے خالی نشست پر ضمنی انتخاب میں حصہ لینے کا فیصلہ جے یو پی نے کر لیا۔ اور سابق امیدوار مولانا الوری کو کھڑا کرنے کا اشارہ کر دیا۔ چنانچہ جمعیت علماء پاکستان کاہنہ نو اور دوسرے ابتدائی یونٹوں کے خادمین کا ہنگامی اجلاس ۴ جنوری ۱۹۹۰ء کو علاقائی دفتر میں ہوا جس میں اتفاق رائے سے ایک جائزہ رپورٹ تیار کی گئی جو قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا عبدالستار خان نیازی، پیر سید برکات احمد اور جنرل ایم ایچ۔ انصاری صاحب کو ارسال کی گئی مرکزی پارلیمانی بورڈ سے اپیل کی گئی کہ مولانا الوری اپنے کردار کی وجہ سے علاقہ میں متنازعہ شخصیت ہیں اور کارکن بھی ان کے رویہ کی وجہ سے خوش نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے جے یو پی کے لئے حلقہ میں کبھی کوئی کام نہیں کیا لہٰذا مرکزی پارلیمانی بورڈ ہماری اپیل پر مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی۔ جنرل کے ایم اظہر، پیر امتیاز احمد ہاشمی صاحبزادہ سید حامد سعید کاظمی اور قاری زوار بہادر میں سے کسی کو ٹکٹ جاری کرے۔

مگر پارلیمانی بورڈ نے مولانا عبدالغفور الوری صاحب کو پارٹی ٹکٹ جاری کر دیا تو خادمین نے قیادت کا حکم تسلیم کر کے بھرپور طریقے سے مہم شروع کر دی مگر افسوس کہ امیدوار نے کبھی کسی حلقہ کا دورہ نہیں کیا۔ ان کے رویے سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ الوری صاحب انتخابات میں مخلص نہیں ہیں جس کی شکایت ہم مرکزی دفتر میں موجود عہدیداروں سے کرتے رہتے تھے۔

اچانک ۴ جنوری ۱۹۹۰ء بدھ کی رات محمد اقبال رضا کنوینر حلقہ کاہنہ نو کو ٹیلی فون پر حکم ملا کہ مولانا نیازی صاحب سے ملاقات کرو۔ پھر سمیع نیازی صاحب نے رابطہ کیا کہ آج شام کو ضرور ملاقات کرو آپ سے صلاح مشورہ کرنا ہے اور ساتھ ہی حلقہ میں تمام پارٹیوں کی انتخابی مہم کی جائزہ رپورٹ بھی لکھ کر لانا۔ چنانچہ خادمین کا ہنگامی اجلاس ہوا اور رپورٹ تیار کر لی گئی۔ اور پھر ۵½ شام [illegible] پر ایس ایم اکرم بٹر ممبر صوبائی مجلس شوریٰ، محمد اقبال رضا کنوینر حلقہ کاہنہ نو، مولانا اشرف علی سعیدی ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنت کاہنہ نو، محمد اسلم طاہر سعیدی ناظم اے این آئی اور افتخار احمد شہزاد اے ٹی آئی پر مشتمل وفد نے مولانا نیازی کی رہائش گاہ واقع کرشن نگر میں ان سے ملاقات کی۔

ایس ایم اکرم بٹر

آپ نے بیٹھتے ہی سوال کیا کہ کیا پوزیشن ہے۔ ہم نے مختصر الفاظ میں انہیں صورتحال سے آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ "الوری کو کھڑا کس نے کر دیا ہے؟" جس پر میں نے فوراً جواب دیا کہ آپ نے۔ کیونکہ پارلیمانی بورڈ کے چیئرمین آپ ہیں جس پر آپ نے فرمایا کہ "نہیں ایسا نہیں ہے! بلکہ پارلیمانی بورڈ کی اکثریت امیدوار کھڑا کرنا چاہتی تھی لیکن ہم صرف ۲ آدمی ایک طرف تھے جو الیکشن میں حصہ لینے کے حق میں نہیں تھے اس طرح ہم نے اکثریت کا فیصلہ تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد آپ کے اندرونی اختلافات پر گفتگو شروع کی تو اچانک جنرل کے ایم۔ اظہر صاحب اور جنرل ایم۔ ایچ انصاری صاحب تشریف لے آئے۔ مولانا جنرل انصاری صاحب سے دورہ ایران کے متعلق چند منٹ گفتگو کرنے کے بعد غسل خانے گئے کہ پہلے انہیں فارغ کر لیں۔ جس پر جنرل اظہر صاحب سے ہماری بات چیت شروع ہو گئی اور مولانا صاحب باہر تشریف لے گئے۔ جنرل اظہر صاحب نے ہمیں بتایا کہ جلد مولانا شاہ احمد نورانی صاحب تشریف لانے والے ہیں پھر انشاء اللہ حلقہ کی صورتحال تبدیل ہو جائے گی (تمام وقت انصاری صاحب خاموش رہے) مولانا نیازی باہر سے تشریف لائے اور ہمیں کہا کہ بھائی آپ نے اپنی بات ہم تک پہنچا دی کہ اب یہ بحث اچھی نہیں ہوتی آپ لوگ جائیں اور کام اگر نہیں کر سکتے تو نہ کریں۔ یہ کلمات سن کر ہمیں بڑی حیرانی ہوئی ہم تو مہم کو تیز کرنے کے لئے ہدایات حاصل کرنے گئے تھے اور مولانا نیازی ہمیں کام نہ کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ اس گفتگو کے دوران جنرل اظہر صاحب نے کہا تھا کہ مولانا کل آپ کا رائیونڈ میں جلسہ عام ہے ہم تو آپ سے پروگرام طے کرنے آئے ہیں مگر مولانا صاحب نے صاف انکار کر دیا۔ کہ میرا بھتیجا بیمار ہے میں رائیونڈ نہیں جا سکتا (بعد میں پروفیسر شاہ فریدالحق صاحب) کراچی سے خصوصی طور پر اس جلسہ کے لیے تشریف لائے تھے)

ہم اس ملاقات کے بعد کافی پریشان ہوئے کیونکہ ہمیں اصل بات کا پتہ چل گیا تھا اور پھر تمام حالات نے ہمارے خدشات کو سچ ثابت کر دیا۔ مگر کارکنان نے مہم تیز کر دی بعد میں جنرل کے۔ ایم۔ اظہر صاحب جنرل انصاری صاحب اور قاری زوار بہادر نے دورہ کیا اور قائد اہلسنت نے بھی لاہور آنے کے بعد پہلے کاہنہ نو تشریف لا کر کارکنان کی حوصلہ افزائی کی جس سے انتخابی مہم میں بڑی جان پیدا ہو گئی۔ مگر اسی دوران مولانا نیازی نے ٹیلی فون پر الوری کو حکم دیا کہ ایک کروڑ روپیہ لے کر دستبردار ہو جاؤ۔ یہ بات ہمیں الوری صاحب کے انتہائی قریبی ساتھی بابا معراج خان نے کاہنہ نو کے دفتر میں بیٹھ کر بتائی ہے

۲۴ فروری ۱۹۹۰ء کو جے یو پی کے مرکزی مقبوضہ دفتر میں مولانا نیازی نے خادمین کا نام نہاد کنونشن بلایا اور مولانا نورانی کا تختہ الٹ دیا۔ اس اجلاس میں کاہنہ نو سے بھی ایک روٹ ۵ کی مزدا ویگن بھر گئی تھی۔ جانے والے کون تھے جمعیت اہلحدیث، جماعت اسلامی اور مسلم لیگ کے عہدیدار اور کارکن ان میں سے جے یو پی کا صرف ایک کارکن تھا۔

کل ۵۰ افراد میں ۳۵ کاہنہ نو سے جعلی خادم گئے تھے جن کی قیادت جامعہ اہلحدیث کاہنہ نو کے خطیب مولانا عبدالرحمٰن نے کی تھی اور کاہنہ نو سے جاتے ہوئے یہ بات علی الاعلان کہی تھی کہ ہم نورانی کا قصہ ختم کرنے جا رہے ہیں اس سے جان چھڑانی ہے (معاذ اللہ)

باقی صـ ۷۰ پر

رنگ احوال

ایم اے ساجد

مشعلِ راہ

٭ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے انکی بیوی فاطمہ نے شکایت کی کہ عید الفطر سر پر آرہی ہے۔ سب لوگ نئے کپڑے پہنیں گے مگر ہمارے لڑکے خلیفہ کے فرزند ہونے کے باوجود پرانے کپڑوں میں پھر رہے ہوں گے۔ خلیفہ نے بیت المال کے مہتمم کو لکھا "ہماری حاجت کے لیے ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی بھیج دیجئے۔" مہتمم نے جواب ارسال کیا "خلیفہ کا حکم ہے لیکن مجھے کوئی عذر نہیں۔ لیکن کیا امیر المومنین کو یہ یقین ہے کہ وہ ایک مہینے تک زندہ رہ سکتے ہیں؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر بے چارے غریبوں کے مال کا حق پیشگی اپنی گردن پر کیوں رکھتے ہیں۔"

مرسلہ: محمد حسن رضا گورنمنٹ سکول منڈی بہاؤ الدین

قرآنی معلومات

١۔ ام القرآن سورۃ فاتحہ کو کہتے ہیں۔
٢۔ قرآن پاک کی لمبی سورۃ البقرہ ہے
٣۔ سورۃ توبہ میں ایک بار بھی بسم اللہ نہیں آیا۔ جبکہ سورۃ النمل میں دو مرتبہ آیا ہے۔
٤۔ روح القرآن سورۃ یٰسین کو کہتے ہیں
٥۔ قرآن لکھوانے کا کام حضرت ابو بکر صدیقؓ نے شروع کیا
٦۔ قرآن پاک کی سب سے چھوٹی سورۃ الکوثر ہے۔
٧۔ سورۃ اخلاص میں صرف ایک مرتبہ زیر استعمال ہوئی ہے
٨۔ قرآن پاک کی کل آیات ٦٦٦٦ ہیں
٩۔ جامع القرآن صحابیٔ رسول حضرت عثمانؓ کو کہتے ہیں۔

مرسلہ: حافظ احسان الٰہی بگاتی۔ جھنگ شہر تحصیل چالیہ ضلع گجرات

ایک ہزار سال پرانی مسجد

٭ جیوکیسپین (روس) کے ساحلی علاقہ میں ایک ہزار سالہ پرانی مسجد ہے۔ یہ مسجد پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ یہ جگہ پہلے قزاق گڈریوں نے اپنی بھیڑ بکریوں کو رکھنے کے لئے بنائی تھی اس کے بعد اسلام پھیلنے پر اسے مسجد میں تبدیل کر دیا گیا۔

قدرتی گھڑی

بھارت میں دریائے گنگا کے قریب ایک ایسا پودا ہے جس [illegible] ایک منٹ میں ٦٠ مرتبہ حرکت کرتے ہیں۔ [illegible] قدرتی گھڑی کہا جاتا ہے۔ اس پودے پر موسم کا اثر [illegible] ہوتا ہے۔

مرسلہ: [illegible]

کرکٹ

٭۔ کرکٹ تقریباً چار سو سال پرانا کھیل ہے
٭۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کھیل ۵۰۰ سال سے جاری ہے۔
٭۔ پہلے کرکٹ میں وکٹ کے طور پر صرف دو ڈنڈے استعمال ہوتے تھے۔
٭۔ ١٧٧٦ء میں تیسری وکٹ وجود میں آئی۔
٭۔ ایل۔بی۔ ڈبلیو کا قانون ١٧٧٤ء میں بنایا گیا۔
٭۔ ١٧٨٨ء میں کرکٹ کو بین الاقوامی طور پر روشناس کرانے کے لئے ایم۔سی۔سی (میری بون کرکٹ کلب) کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کا صدر دفتر انگلینڈ کے لارڈز کرکٹ گراؤنڈ میں ہے۔
٭۔ دنیا کا سب سے پہلا سرکاری ٹیسٹ میچ مارچ ١٨٧٧ء میں انگلینڈ اور آسٹریلیا کے درمیان کھیلا گیا۔
٭۔ تاریخ کرکٹ کا پہلا مشہور کھلاڑی ڈبلیو جی گریس تھا۔
٭۔ پاکستان میں کرکٹ کا آغاز ١٩٤٩ء میں ہوا۔
٭۔ پاکستان میں سرکاری میچوں کا سلسلہ ١٩٥٢ء میں دورۂ بھارت سے ہوا۔

مرسلہ: سہیل اختر رانا شجاع آباد، ملتان

اشعار

باہیں پھیلیں جواں جس کی وہی یار لگتا ہے
کشتی پہ جو سوار تھا ہے ڈوب گیا ہے

میں عرش سے کم چیز پہ ہوتا نہیں راضی
وہ سوچ میں گم ہے کہ عجب شخص ملا ہے

لے جائے زمانہ اپنے سفینے کو اٹھا کر
یہ شخص جو ساحل پہ کھڑا سوچ رہا ہے

[illegible]

مینارۂ نور

حضرت ابراہیم ادھمؒ بلخ کے بادشاہ تھے۔ ایک روز وہ اپنے دربار خاص میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک ایک اجنبی دندناتا ہوا دربار میں آیا اور پوچھنے لگا "کیا میں اس سرائے میں ایک روز قیام کر سکتا ہوں؟"

حضرت ادھمؒ نے غصہ سے کہا "یہ سرائے نہیں شاہی محل ہے۔"

اجنبی نے پوچھا "تم سے پہلے اس محل میں کون رہتا تھا؟"

حضرت ادھمؒ نے جواب دیا "میرا باپ۔"

اجنبی نے پھر پوچھا "اس سے پہلے کون رہتا تھا؟"

ابراہیم ادھمؒ نے کہا "میرا دادا۔"

"اور تمہارے دادا سے پہلے؟"

"میرا پر دادا۔"

اجنبی نے سوال کیا "اچھا تمہارے بعد یہاں کون رہے گا؟"

ادھمؒ نے کہا "میرا بیٹا۔"

اجنبی نے کہا "تم ذرا سوچو کہ جس جگہ اتنے سارے لوگ آئے اور چلے گئے کیا اس کو محل کہتے ہیں؟"

اتنا کہہ کر اجنبی چلا گیا۔

حضرت ابراہیم ادھمؒ تخت چھوڑ کر اجنبی کے پیچھے دوڑے اور پھر پلٹ کر محل میں نہیں آئے۔

مرسلہ: مسرور خان لیاقت آباد۔ کراچی

● مسکراہٹ ——— سید ریحان حسین کباڑیا

٭ ایک شخص نے دوست سے کہا کہ اب تو خود بخود کھلنے اور بند ہونے والی چھتریاں نکل آئی ہیں۔
دوسرا شخص: لیکن اس سے فائدہ کیا؟ چھتریاں تو اس قسم کی ہونی چاہئیں کہ جب چوری ہو جائیں تو خود بخود گھر واپس آجائیں۔

احوال آنگن

تقریباً ہر ہفتہ کوئی نہ کوئی خط ضرور ایسا آتا ہے جس میں رنگِ احوال میں شعر و شاعری کا سلسلہ شروع کرنے کو کہا جاتا ہے ——— لہٰذا آپ لوگوں کی خواہش کے مدنظر رنگِ احوال میں اشعار کا سلسلہ بھی شروع کیا جا رہا ہے شرط پھر وہی کہ عشقیہ اشعار سے دور رہتے ہوئے معیاری اشعار ہی قابل قبول ہوں گے ——— اپنی تحریریں اس پتہ پر ارسال کریں۔

انچارج رنگِ احوال ١٥٥ یونی شاپنگ سنٹر صدر کراچی

بقیہ: ٹی وی تبصرہ

کی ایک دکھتی رگ ہے، ناسور ہے، اس پر جتنا لکھا جائے، دکھایا جائے کم ہے۔ اگر یہ ویڈیو فلم بن گئی تو یقیناً یہ کامیابی بھی حاصل کرے گی اس لئے کہ اس کا براہ راست تعلق عوام سے ہے یہ دونوں فنکار میاں بیوی اس میں کام بھی کریں گے۔

پچھلے دنوں ٹیلی ویژن پر دہشت گردی کے موضوع پر نور الہدیٰ شاہ کا تحریر کردہ کھیل "زندگی زندہ باد" دکھایا گیا، جو سچی کہانیوں کے سلسلے میں دکھائے جانے والے کھیلوں میں سب سے بہترین رہا شاید اس لئے کہ ایسے ڈراموں سے ناظرین بخوبی آشنا ہیں ہر دل اور ہر آنکھ اس کہانی کے کرب کو محسوس کر سکتی تھی، بڑے عرصے بعد ٹیلیویژن نے ایک جرأت مندانہ قدم اٹھایا اس کے مکالمے پیکش اور فنکاروں کی پرفارمنس سب ہی بلاشبہ مدتوں یاد رکھے جانے والے ہیں اس ڈرامے کو دیکھنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ جس کے گھر کے کسی فرد کو بےگناہ مارا جاتا ہے اس کے لواحقین پر کیا گذرتی ہے۔ زندگی جیسی نعمت کسی سے بلاوجہ چھین لی جائے تو اس کا کرب کیا ہوتا ہے کاش ہم سب اس بات کو سمجھ لیں۔

بقیہ: اداریہ

شہری لسانی گروہ کے سربراہ الطاف حسین صاحب نے اسی میں اپنی بھلائی سمجھی کہ مرن برت رکھ لیا جائے۔ حالانکہ انہیں سوچنا چاہئے کہ اس سے کیا حاصل ہوگا۔ سوائے اس کے کہ غیر شرعی طریقہ پر جان سے ہاتھ دھونا پڑیں اور لوگوں کو مزید اشتعال دلایا جائے تاکہ مزید جانیں ضائع ہوں۔ مرن برت رکھنا راہِ فرار تو ہو سکتا ہے مسئلہ کا حل نہیں۔ شرعی طور پر یہ خودکشی ہوگی جو رمضان المبارک میں کسی طرح بھی درست نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خود اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں گرنا چاہتے ہیں۔ بھوک ہڑتال اور مرن برت کا طریقہ ہندو پاک میں کانگریسیوں نے شروع کیا۔ بالخصوص مہاتما گاندھی نے اس کا زیادہ پرچار کیا۔ اس کا طریقہ کار یہی تھا کہ مسلمانوں کو قتل کروانے کے بعد مرن برت رکھ لیتا تھا۔ اب اگر مسلمان کہلانے والے بھی اسی پر عمل شروع کر دیں تو سوائے شرمندگی اور افسوس کے اظہار کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

اب بھی وقت ہے کہ اپنے کئے پر نادم ہوا جائے۔ اللہ سے توبہ کی جائے۔ آپس میں بامقصد مذاکرات کئے جائیں اگر خود دونوں متحارب گروپ یعنی پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم مذاکرات نہ کر سکیں تو دونوں اپنی اپنی طرف سے غیر جانبدار لوگوں کو متعین کر کے مذاکرات کریں اور موجودہ بحران کا حل تلاش کریں۔ شہریوں کو اس کوفت اور گھٹن کی زندگی سے نجات دلائیں۔ سیاست باوقار طریقہ پر قومی اور دینی سوچ کے تحت کریں۔ ہتھیاروں کی زبان میں بات کرنا چھوڑ دیں۔ برسر اقتدار طبقہ گروہی اور علاقائی عینک سے مسئلہ کو دیکھنے کی کوشش ترک کر دے۔ انصاف کا راستہ اختیار کرے تاکہ سندھ کے بسنے والے ہر طبقہ کو یہ احساس ہو سکے کہ اس کے حقوق پر ڈاکہ نہیں ڈالا جا رہا ہے۔ لسانی اور گروہی بنیادوں پر قائم ہونے والی تنظیمیں انہیں ختم کرنے کا اعلان کر کے کسی قومی جماعت میں شمولیت اختیار کرلیں یا پھر کسی دوسرے نام سے قومی سیاست کریں۔ ورنہ فساد ہوتا رہے گا اور نفرتیں جنم لیتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوانوں کو عقل و ہوش کا ناخن لینے کی توفیق عنایت فرمائے۔

بقیہ: بھکر کی ڈائری

رکھنے پر ان کا شکریہ ادا کیا اور میلہ کی کامیابی پر مبارکباد پیش کی۔ مجموعی طور پر یہ جشن بہار اپنی تمام تر خوبصورتی اور رنگینیوں کے لحاظ سے عوام میں انتہائی مقبول رہا۔ دیہاتیوں کی ٹولیوں کی ڈھول کی تھاپ پر رقص کرتے ہوئے میلہ میں شرکت، شہریوں کی بڑھ چڑھ کر دلچسپی اور اس کی کامیابی کے لئے خلوص و چاہت کے ساتھ شمولیت ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ بلاشبہ یہ جشن بہار ہر لحاظ سے عوام کے دلی جذبوں اور خوشیوں کا ترجمان تھا اور اس کی مقبولیت ہی اس کی کامیابی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

بقیہ: گستاخانِ رسولؐ

میں نے ۲۵ فروری شام کو دفتر میں رابطہ کیا تو قریشی سعید اسعدی سے فون پر بات ہو گئی۔ جس پر میں نے انہیں سخت الفاظ میں کہا کہ آپ نے کیا ڈرامہ رچایا ہے گستاخان رسول ہمارا مذاق اڑا رہے ہیں تو اسعدی صاحب نے کہا کہ بھئی ایسا نہیں ہے کوئی بھی غیر خادم یہاں نہیں آیا ہے تو جب راقم الحروف نے زور دیکر کہا تو ارشاد فرمانے لگے کہ ایسا نہیں ہو سکتا اور اگر وہ لوگ آئے ہیں تو منافق ہیں جو یا رسول اللہؐ کی محفل میں آئے ہیں میں نے کہا یہ کونسا جواب ہے بہرحال آپ نے اچھا نہیں کیا تو اسعدی صاحب فرمانے لگے کہ اگر یہ اچھا نہیں ہے تو ٹی۔وی پر جو کچھ ہو تا رہا ہے کیا وہ اچھا تھا۔ مولانا نورانی ان کی پشت پناہی کرتے رہے ہم نے اس کا بدلہ لے لیا ہے جس پر ہم نے یہ بات پریس کو جاری کر دی عوام اہلسنت اس وقت صرف یہ سوچ رہے ہیں کہ خدایا

یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے اور کس کے اشارہ پر ہے؟

بقیہ: مقدس مہینہ

و جلال کی سعی اور کوشش کا جذبہ پیدا کیا جائے، قرآن کریم کو حرز جان بنایا جائے، اس کی تلاوت کی جائے، راتوں کو بارگاہ عظمت و جلال میں بھی ہاتھ باندھے عاجزی کے ساتھ کھڑا ہو، کبھی تعظیم کے لیے جھک جائے، کبھی سربسجود ہو اور دن میں قرآن کریم پر عمل کر کے اپنے مقصد زندگی کو پانے کی کوشش کرے۔ یہی نزول قرآن کا جشن ہے اور یہی اس کی یادگار۔

ورنہ اگر سال بھر معصیت و نافرمانی کی جائے قرآن پس پشت ڈال کر غیروں کے طور طریقے اپنائے جائیں۔ خدا فراموشی کی نئی نئی داستانیں رقم کی جائیں اور جس طرح من میں آئے آزادانہ زندگی گزاری جائے اور پھر قرآن کریم کی چند راتوں میں محض دنیا کو دکھانے کے لئے ٹی وی پر قرآن سننے اور سنانے کی نمائش کر دی جائے تو یہ قرآن کی یادگار نہیں بلکہ قرآن کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دامن قرآن سے وابستہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بقیہ: نظام مصطفےٰؐ

بلاشبہ دورِ رسالتمآبؐ میں بالکلیہ نجی ملکیتوں کے خاتمے کا اعلان نہیں کیا گیا مگر حرمت سود۔ زکوٰۃ صدقات۔ حرمت مزارعت کرایہ پر مکان یا زمین دینے کی ممانعت۔ خود کاشتی کے نظریہ کا فروغ، جاگیرداری پر پابندی۔ غیر حاضر زمیندار کے تصور کا استحصال، بلاوجہ زمینوں کو روک رکھنے کی ممانعت۔ تین سال تک جو زمین آباد نہ کرے اس سے جبراً زمین کی وصولی، زائد از ضرورت مال رکھنے کی ممانعت، ایسے زرین اصول جنہیں اپنا کر آج بھی آقا و مولیٰ، شاہ و گدا، غریب اور امیر کا طویل فاصلہ ختم کیا جا سکتا ہے۔

اگر دانشوران ملت نے مذکورہ بنیادوں پر معاشی مسئلے کا جلد از جلد تلاش نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ معاشی محرومیوں کا شکار طبقہ بزور اپنا حق حاصل کرنے کے لئے میدان عمل میں آجائیگا۔ لہٰذا ملک و ملت کو لادینیت سے بچانے کی خاطر قرآن و سنت کے مطابق معاشی نظام کو استوار کیا جائے کیونکہ موجودہ نظام جو اس ملک میں انگریز بہادر کا عطیہ اند تحفہ ہے زیادہ دیر نہیں چل سکے گا۔


ہر محفل کا میزبانِ خصوصی
رُوح افزا
تقریب کی نوعیت پر منحصر نہیں۔ کوئی موقع ہو، کیسی ہی محفل ہو،
ضیافت اور مہمان نوازی کے لیے رُوح افزا پیش پیش۔
فرحت، تازگی اور توانائی کے لیے بے مثال
رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں لازوال۔
ہر محفل کا میزبانِ خصوصی
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
رُوحِ پاکستان ۔ رُوح افزا
راحتِ جان ۔ رُوح افزا
خدمتِ خلق رُوحِ اخلاق ہے
HMD-6/87

ADARTS